الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہ نامہ مبارک پور

اشرفیہ

اپریل 2025

عالم اسلام کو

رزقِ حلال

رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو ہماری دی ہوئی طیب ولذیذ روزی کھاؤ، (طیب خبیث کی ضد ہے، حلال، پاک، تطیف، پسندیدہ شرعی چیز طیب ہے، اللہ تعالیٰ طیب ہے کہ خبیث چیزیں ناپسند کرتا ہے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ظاہری و باطنی نجاست سے دور رہیں نیک اعمال کریں، چیزیں انسان کے لیے ہیں اور انسان رحمٰن کے لیے)۔ پھر ذکر فرمایا کہ آدمی پراگندہ گرد آلود بال لمبے لمبے سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے اے رب اے رب اور اس کا کھانا حرام اور پینا حرام لباس حرام اور حرام کی ہی غذا پاتا ہے، (یعنی بچپن سے ہی حرام میں پلا اور جوان ہو کر حرام کمائی ہی کی، جس سے غذا لباس حرام کا رہا) تو ان وجوہ سے دعا کیسے قبول ہو، (یہاں روے سخن یا حرام خور حاجی غازی کی طرف ہے یعنی حرام کمائی سے حج یا غزوہ کرنے گیا ، پراگندہ بال، پریشان حال رہا، کعبہ معظمہ یا میدان جہاد میں دعائیں مانگیں مگر قبول نہ ہوئیں کہ روزی حرام تھی جب ایسے حاجی و غازی کی دعا بھی قبول نہیں تو دوسروں کا کیا کہنا۔

مبارک حسین مصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: حضور حافظِ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی وعلمی ترجمان

ماہ نامہ

اشرفیہ

مبارک پور

زیر سرپرستی

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ

عبد الحفیظ عزیزی

سربراہِ اعلیٰ

الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

THE ASHRAFIA MONTHLY Mubarakpur. Azamgarh (U.P.) India. 276404

جلد نمبر 50 شمارہ 4

اپریل 2025ء

شوال 1446ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : مبارک حسین مصباحی

منیجر : محمد محبوب عزیزی

تزئین کار : مہتاب پیامی

مجلس مشاورت

مولانا محمد احمد مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی

مولانا محمد ادریس بستوی

مولانا محمد عبد المبین نعمانی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

+91 9935162520 (Manager)

زرِ تعاون

قیمت عام شمارہ: 30 روپے

سالانہ (بذریعہ سادہ ڈاک) 300 روپے

سالانہ (بذریعہ رجسٹری) 600 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

750 روپے

دیگر بیرونی ممالک

25$ امریکی ڈالر 20£ پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org

Email : ashrafiamonthly@gmail.com

mubarakmisbahi@gmail.com

info@aljamiatulashrafia.org

BHIM

BHIM UPI Payments Accepted at

ASHRAFIA MONTHLY

ASHRAFIA MONTHLY

A/c No. 3672174629

Central Bank Of India

Branch : Mubarakpur IFSC : CBIN0284532

اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے کے بعد آفس کے نمبر پر فون کریں

یا بذریعہ ڈاک مطلع کریں۔ (منیجر)

مولانا محمد ادریس بستوی نے فیضی کمپیوٹر گرافکس، گورکھ پور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ		عصر حاضر کا ہندوستان	مہتاب پیامی	5
قرآنیات	تفہیم قرآن	قرآن اور نماز پنجگانہ	مولانا حبیب اللہ بیگ ازہری	10
فقہیات	آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں علماے دین	مفتی محمد نظام الدین رضوی	14
نظریات	فکر امروز	مسلم لڑکیاں ارتداد کے دہانے پر	اقرار احمد	16
اسلامیات	شعاعیں	مال حرام سے پرورش پانے والے کی عبادت	محمد مدثر حسین اشرفی	19
شخصیات	انوار حیات	علامہ خادم حسین رضوی	محمد طارق اطہر حسین	21
اساطین تصوف	ذکر جمیل	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	مفتی محمد اعظم مصباحی	23
سیاسیات	آئینۂ عالم	غزہ میں ٹرمپ کی پہلی شکست	ودود ساجد	27
تاریخیات	یاد ماضی	دریاے دجلہ کی تاریخ	جی کے بلوچ	29
طبیات	حکمت نامہ	طب نبوی ایک ہدایت ایک پیغام	ڈاکٹر محمد اقتدار حسین فاروقی	31
بزم خواتین	چراغ خانہ	پردے کی ضرورت	محمد فداء المصطفیٰ قادری	35
بزم دانش	فکر و نظر	معاشی مسائل اور ان کے اسلامی حل	ڈاکٹر وقار انور/گلوبل صدقہ	37
ادبیات	نقد و نظر	اہل سنت کی آواز خصوصی شمارہ حمد و نعت	تبصرہ نگار: مہتاب پیامی	44
مکتوبات	صداے بازگشت	شہزاد احمد مرزا		53
سرگرمیاں	عالمی خبریں	امریکہ- پیدائشی حق شہریت کے ایگزیکیٹو آرڈر پر روک/غزہ کے حوالے سے مصر کے منصوبے کی تفصیلات		54
	خیر و خبر	جامعہ امجدیہ رضویہ کے دو طلبہ کے سانحۂ ارتحال پر اظہار تعزیت/یوپی حکومت کی اردو مخالف پالیس کی سخت مذمت		56
منظومات	خیابانِ حرم	نعتیں	افتخار عارف/اقبال عظیم	58

اداریــــــــہ

عصر حاضر کا ہندوستان

اقتصادی اور سماجی شراکت داری کا فقدان

مہتاب پیامی

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف تشدد ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی جڑیں تاریخی کشیدگی اور سیاسی نظریات سے جڑی ہوئی ہیں۔ یہ تشدد مختلف شکلوں پر محیط ہے، بشمول فرقہ وارانہ فسادات، ٹارگٹڈ حملے وغیرہ۔ اس میں غیر حل شدہ علاقائی تنازعات کے ساتھ 1947 میں برٹش انڈیا کی تقسیم کے تاریخی عوامل بھی کارفرما ہیں، بی جے پی اور اس جیسے مذہبی منافرت کو ہوا دینے والے سیاسی گروہوں کے ذریعے پروپیگنڈہ کی جانے والی ہندو قوم پرستی نے ہندوستان میں مذہبی تقسیم کو بڑھاوا دیا اور اپنی نفرت انگیز پالیسیوں اور بیان بازیوں سے مسلمانوں کو مزید پس ماندہ کرکے ہندو اکثریتی ایجنڈے کو فروغ دیا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف تشدد سے نمٹنے میں قانون نافذ کرنے والے اداروں اور انصاف کے نظام کی ناکامی سماجی عدم تحفظ کو مزید ہوا دیتی ہے، نتیجتاً ہندوستان میں آئے دن مسلمانوں کو معاشی اور سماجی مشکلات، جانی و مالی نقصانات اور املاک کی تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان کی 14 فیصد آبادی پر مشتمل مسلمان تقریباً 200 ملین افراد کے ساتھ سب سے بڑی مذہبی اقلیت ہیں۔ واشنگٹن میں قائم ایک تحقیقی ادارے کے مطابق اتنی بڑی تعداد ہونے کے باوجود 2023 کی دوسری ششماہی میں مسلم مخالف نفرت انگیز تقاریر میں 62 فیصد اضافہ ہوا، اور مسلمانوں کے خلاف اوسطاً روزانہ تقریباً ایک واقعہ رونما ہوا۔ یہ بھی قابلِ ذکر ہے کہ 2009 اور 2019 کے درمیان مذہبی منافرت پر مبنی جرائم کا 90 فیصد ارتکاب 2014 میں بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد ہوا، 2014 سے 2018 کے دوران نفرت انگیز تقاریر میں تقریباً 500 فیصد اضافہ ہوا۔ بی جے پی کی زیر قیادت ریاستوں میں 80 فیصد نفرت انگیز تقاریر کے اجتماعات میں مسلمانوں کو بطور خاص نشانہ بنایا گیا، کبھی لباس، کبھی حجاب، کبھی اذان، کبھی نماز کبھی قربانی غرض متعدّد حیلوں بہانوں سے مسلمانوں کے خلاف نفرت کو بڑھاوا دیا گیا، انجام کار فرقہ وارانہ تشدد میں سیکڑوں جانیں گئیں، علاوہ ازیں گورکشا کے نام پر بھی بی جے پی کی زیر اقتدار ریاستوں میں، سیکڑوں جانیں گئیں۔ 2023 میں نوح کی جھڑپوں میں ۷ مسلمان شہید ہوئے اور 70 سے زائد زخمی ہوئے۔ حالیہ واقعات میں سنبھل کا واقعہ قابلِ ذکر ہے جس میں 7 ہلاکتیں ہوئیں اور 70 سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے۔

اتر پردیش کے سنبھل ضلع میں پتھراؤ اور گاڑیوں کو نذر آتش کرنے کا واقعہ اتوار (24 نومبر 2024) کی صبح پیش آیا۔ اس دوران چار افراد کی موت ہوگئی۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب ایک ٹیم دوسری بار شاہی جامع مسجد کے سروے کے لیے عدالتی حکم کے بعد چندوسی پہنچی تھی۔ منگل (19 نومبر 2024) کو ایک مقامی عدالت نے سروے کا حکم دیا تھا۔ یہ حکم ایک درخواست کی سماعت کے فوراً بعد دیا گیا جس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ 1526 میں مسجد بنانے کے لیے ایک مندر کو توڑ دیا گیا تھا۔ سنبھل کے چندوسی میں سول جج (سینئر ڈویژن) آدتیہ سنگھ کی عدالت نے یہ حکم جاری کیا۔ درخواست منگل کی دوپہر کو دائر کی گئی اور چند گھنٹوں کے اندر جج نے ایک ایڈوکیٹ کمشنر مقرر کیا اور اسے مسجد میں ابتدائی سروے کرنے کی ہدایت کی۔ یہ سروے صرف منگل کو کیا گیا۔ عدالت نے یہ بھی ہدایت کی کہ سروے کی رپورٹ 29 نومبر تک اس کے سامنے پیش کی جائے۔

سنبھل کی یہ شاہی جامع مسجد ایک محفوظ یادگار ہے۔ جسے 22 دسمبر 1920 کو قدیم یادگاروں کے تحفظ کے ایکٹ 1904 کے سیکشن 3 ذیلی دفعہ (3) کے تحت درج کیا گیا تھا۔ آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی ویب سائٹ پر اسے "قومی اہمیت" کی یادگار قرار دیا گیا ہے اور اسے آگرہ سرکل کے مرادآباد ڈویژن کی ویب سائٹ پر مرکزی طور پر محفوظ یادگاروں کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔

کل آٹھ عرضی گزاروں نے سنبھل کورٹ میں مقدمہ دائر کیا ان میں سے ایک ہری شنکر جین (گیانواپی مسجد-کاشی وشواناتھ تنازعہ کے وکیل)، ایڈوکیٹ پارتھا یادو، سنبھل میں کلکی دیوی مندر کے مہنت رشی راج گری وغیرہ شامل ہیں، دیگر درخواست گزاروں میں وید پال سنگھ، راکیش کمار، جیت پال یادو ہیں۔ عرضی میں دعویٰ کیا گیا کہ سنبھل شہر کے وسط میں، بھگوان کلکی کے لیے وقف ایک صدیوں پرانا شری ہری مندر ہے، جسے جامع مسجد کمیٹی زبردستی اور غیر قانونی طور پر استعمال کر رہی ہے۔ درخواست میں کہا گیا کہ سنبھل ایک تاریخی شہر ہے اور اس کا ذکر ہندو کتابوں میں ملتا ہے جس کے مطابق یہ ایک مقدس مقام ہے، جہاں بھگوان وشنو کے اوتار کالکی مستقبل میں پہنچیں گے۔ درخواست میں مزید کہا گیا کہ بابر نے 1526 عیسوی میں ہندوستان پر حملہ کیا اور اسلام کی طاقت کو ظاہر کرنے کے لیے بہت سے ہندو مندروں کو تباہ کر دیا تاکہ ہندو یہ محسوس کریں کہ وہ اسلامی حکمرانوں کے ماتحت ہیں چنانچہ مسلمانوں نے مندر کی عمارت پر قبضہ کر لیا اور اسے مسجد کے طور پر استعمال کیا۔

جامع مسجد سروے کا جواب دیتے ہوئے، سنبھل سے سماج وادی پارٹی کے رکن پارلیمنٹ ضیاء الرحمن برق نے کہا کہ باہر کے لوگوں نے عدالت میں اس طرح کی درخواست دائر کر کے ضلع کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ سپریم کورٹ پہلے ہی کہہ چکی ہے کہ 1991 کے عبادت ایکٹ کے مطابق 1947 میں موجود تمام مذہبی مقامات اپنے صورت پر برقرار رہیں گے۔ سنبھل میں واقع جامع مسجد ایک تاریخی مقام ہے جہاں مسلمان صدیوں سے نمازیں ادا کر رہے ہیں۔ اگر ہمیں مقامی عدالت سے تسلی بخش حکم نہیں ملتا ہے تو ہمیں ہائی کورٹ میں اپیل کرنے کا حق حاصل ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں سیاسی طور پر اسلام ہندوستان میں 712ء میں داخل ہوا اور سولہویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے دوران مضبوطی سے قائم ہوا۔ ہندوستان کی مسلم آبادی کی اکثریت مقامی لوگوں سے تعلق رکھتی ہے، خاص طور پر نچلی ذات کے لوگ جنھوں نے ذات پات اور چھوا چھوت کے نظام سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا۔ فی الحال، ہندوستان اپنے مذہبی، نسلی، اور لسانی تنوع کی وجہ سے دنیا بھر نمایاں حیثیت کا حامل ہے اور ایک قابل ذکر مسلم آبادی (14 فیصد) کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہندوستان کی مسلم کمیونٹیز بھی کثیر جہتی ہیں، جن میں ذات، نسل، زبان کے علاوہ سیاسی اور اقتصادی اثر و رسوخ کی سطحوں میں بھی فرق موجود ہے۔ کشمیر کے علاوہ، مسلمان پورے ہندوستان میں اقلیت میں ہیں اور دوسری ریاستوں میں وہ مخصوص علاقوں میں مرکوز ہیں، یہ ارتکاز سب سے زیادہ اتر پردیش، بہار، مغربی بنگال اور کیرالہ میں نظر آتا ہے۔ شمالی ہندوستان میں، اردو بنیادی طور پر مسلم کمیونٹیز کی زبان سمجھی جاتی ہے۔

اب آیئے مذہبی تشدد کی طرف چلتے ہیں اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ مذہبی تشدد آخر کیا چیز ہے۔

مذہب اور تشدد دونوں ہی ایسی اصطلاحات ہیں جو بہت زیادہ متنازعہ ہیں۔ تشدد کی اصطلاح میں متعدد کارروائیوں کا احاطہ کیا جا سکتا ہے، بشمول جسمانی طاقت جس کا مقصد کسی کو تکلیف دینا یا مارنا، ذاتی آزادیوں کا نفاذ، اور جارحانہ زبانی اظہار شامل ہیں۔ اسی طرح اصطلاحِ مذہب سماجی تجرید کے طور پر عناصر کی ایک رینج کو گھیرے ہوئے ہے جس میں عام طور پر دیگر چیزوں کے ساتھ بیانیہ، عقائد، مقدس مقامات اور اعمال شامل ہیں۔ مذہبی عقائد اور رویے کے درمیان تعلق کی وضاحت کرنا مشکل ہے، کیوں کہ تحقیق بتاتی

ہے کہ مذہبی نظریات اتنے ہی بکھرے ہوئے اور سیاق وسباق پر منحصر ہیں۔ مثال کے طور پر، ہندوستان میں ہندو اعمال و عقائد خاص طور پر امریکہ کے مقابلے میں مختلف ہیں۔ واضح رہے کہ تشدد اکثر نظریاتی عوامل کی وجہ سے ہوتا ہے، اور مذہب مختلف سماجی اور سیاسی اثرات میں سے ایک ہے، جس کے درمیان تعلق ایک مشکل سماجی اور فلسفیانہ کام ہے۔

اب ہم ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف تشدد کو جسمانی طاقت کی کارروائیوں کے لحاظ سے بیان کریں گے جو نقصان پہنچانے کا سبب بنتے ہیں یا جن کا مقصد جارحیت سے ممتاز ہوتا ہے، ایک عام قسم کا معاندانہ رویہ جو جسمانی، زبانی، یا غیر فعال نوعیت کا ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں مذہبی تشدد میں رویے اور واقعات کا لامتناہی عمل دخل ہے، لیکن خاص طور پر فرقہ وارانہ فسادات، مسماری، ہجومی تشدد اور لنچنگ کے طور پر ظاہر ہوا ہے۔ منظم فرقہ وارانہ تشدد کے علاوہ مذہبی اقلیتوں پر ٹارگٹڈ اور منصوبہ بند حملے ہوئے ہیں۔ ان حملوں میں 1992 کا بابری مسجد کی شہادت کا واقعہ بھی شامل ہے۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کا وہ سیاہ ترین دور تھا جب ایک مسجد کو ہندو انتہا پسندوں نے تباہ کر دیا تھا، اس کے بعد ہندوستان بھر میں فسادات کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا جس کی وجہ سے کثیر جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا اور فرقہ وارانہ پولرائزیشن کا عمل شروع ہوا۔

ہندوستان میں مذہبی شناخت کی بنیاد پر افراد پر بے ساختہ حملے بھی عام ہیں۔ ہجومی تشدد اور لنچنگ کے واقعات خاص طور پر گائے کے ذبیحہ یا بین المذاہب تعلقات کی افواہوں سے ہوا کرتے ہیں۔ ہیومن رائٹس واچ کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا کہ کس طرح حکمران بی جے پی کے ارکان گائے کے گوشت کے استعمال اور مویشیوں کی تجارت میں ملوث افراد کے خلاف تشدد کو بھڑکانے کے لیے فرقہ وارانہ بیان بازی کا استعمال کرتے ہیں۔ گائے ہندو روایت میں مقدس ہے، اس لیے گائے کے تحفظ کے مطالبات ابتدا میں ہندو ووٹ حاصل کرنے کے لیے ایک حربے کے طور پر کام کرتے تھے، لیکن اس کے بعد یہ ہجوم کے لیے پر تشدد حملہ کرنے اور اقلیتی گروہوں کے ارکان کو قتل کرنے کے لائسنس میں تبدیل ہو گئے۔ ان حملوں نے مذہبی اقلیتی برادریوں میں خوف اور عدم تحفظ کا ایک وسیع احساس پیدا کیا۔ گائے کا گوشت کھانے کے الزام میں 2015 میں ہندو دیہاتیوں کے ذریعہ محمد اخلاق کا قتل اور 2017 میں پہلو خان کا مویشیوں کی نقل و حمل کے دوران قتل اس رجحان کی واضح مثالیں ہیں۔

بین المذاہب تعلقات بھی ہجومی تشدد کی وجہ بنے ہیں، خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جن پر "لو جہاد" کا الزام ہے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی موتیں اور گرفتاریاں ہوئیں۔ اکثر ہندو انتہا پسند "لو جہاد" کے بارے میں بے بنیاد پرچار کرتے ہیں، مسلمانوں پر ہندو خواتین کو منظم طریقے سے اسلام قبول کرنے، فرقہ وارانہ کشیدگی اور تشدد میں حصہ ڈالنے کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ واضح رہے کہ تبدیلی مذہب مخالف قانون کے تحت درج کیے گئے 17 مقدمات میں سے، 14 کا تعلق 2020 میں تبدیلی مذہب مخالف قوانین کے قیام کے بعد پہلے سال کے اندر ہندو خواتین اور مسلمان مردوں کے درمیان تعلقات سے تھا۔

بین الاقوامی مذہبی آزادی پر امریکی کمیشن (یو ایس سی آئی آر) نے رپورٹ کیا کہ ہندوستان میں مذہبی تشدد سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والی اقلیتوں میں عیسائی، مسلمان اور سکھ شامل ہیں۔ یو ایس سی آئی آر نے اپنی 2023 کی رپورٹ میں ہندوستان کو مذہبی اقلیتوں پر ظلم وستم کرنے والے ملک کے طور پر خاص تشویش (CPCs) کے طور پر نامزد کرنے کی بھی سفارش کی تھی۔ 2018 کی ایک رپورٹ میں، USCIRF نے ہندو انتہا پسند گروہوں پر الزام لگایا کہ وہ غیر ہندوؤں کے خلاف تشدد، دھمکیاں اور ہراساں کر کے ہندوستان کو بھگوا بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف تشدد کی گہری تاریخی جڑیں ہیں، اور اس کی ابتدا 12ویں صدی کے اواخر سے کی جا سکتی ہے، اس دوران ہندوؤں نے ہندوستان کی اسلامی فتح اور مسلم مغل آقاؤں کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا۔ بعد میں ان اختلافات کو انگریزوں نے بڑھاوا دیا، کچھ مورخین کا کہنا ہے کہ "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کی برطانوی حکمت عملی نے اپنے سامراجی کنٹرول کو برقرار رکھنے کے لیے مذہبی تقسیم کو بڑھاوا دیا۔

جس وقت برطانیہ نے برصغیر پاک و ہند سے انخلا کا عمل شروع کیا، اس دوران انڈین نیشنل کانگریس نے آزادی کی وکالت کی اور آل انڈیا مسلم لیگ نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک کا مطالبہ کیا۔ ایک جج نے ہندو اکثریت والے ہندوستان اور مسلم اکثریتی پاکستان کی سرحدوں کا فیصلہ کیا۔ جلد بازی میں ہونے والی تقسیم نے بڑے پیمانے پر تشدد اور نقل مکانی کو جنم دیا۔ مورخین کا اندازہ ہے کہ بٹوارے اور نقل مکانی کے چلتے اس میں 2 سے 20 لاکھ تک لوگ مارے گئے۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں پر ہونے والے مظالم کے نتیجے میں فرقہ وارانہ تشدد ایک المناک اور ہنگامہ خیز علیحدگی کی صورت میں نکلا جس نے آپسی دشمنی کو مزید ہوا دی، تاہم، یہ واضح نہیں ہے کہ تقسیم کے دوران شدید فرقہ وارانہ تشدد کی وجہ کیا تھی۔

1947 کی تقسیم اور اس کے بعد ہونے والے تنازعات کے بعد سے، پاکستان اور بھارت کے درمیان گہرے عدم اعتماد کی جڑیں آج تک پیوست ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خود تقسیم کا مقصد ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جغرافیائی تقسیم پیدا کرنا تھا۔

مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تنازعات کی ایک طویل تاریخ ہے جسے مختصر میں سمیٹا نہیں جا سکتا، ہندوستان کی اسلامی فتح، تقسیم پر تشدد، اور اس کے نتیجے میں علاقائی تنازعات، یہ سبھی عوامل ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف جاری تشدد میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، سب سے اہم کردار اس میں ہندو قوم پرستی والے نظریے کا ہے۔

ہندو قوم پرستی کو سب سے پہلے 1920 کی دہائی میں ساورکر نے اپنی کتاب میں بیان کیا تھا؟ یہ نظریہ ہندو قوم پرستوں کے درمیان امتیاز اور برتری کا احساس پیدا کر کے مذہبی تشدد کا سبب بنتا ہے۔

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ایک اسلامی جمہوریہ کے طور پر پاکستان کی تشکیل سے ہندوستانی مسلمانوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جب کہ تقسیم نے ہندوستان میں مسلمانوں کا فیصد (اس وقت) 25 سے کم کر کے 10 فیصد کر دیا، اس کے نتیجے میں ہندو قوم پرستوں نے مسلمانوں کو ملک دشمن اور غدار کے طور پر پیش کیا۔ ان کا خیال ہے کہ ہندوستانی مسلمان، خاص طور پر تقسیم کے بعد سے، پاکستان کے ساتھ منسلک ہیں اور ممکنہ طور پر بنیاد پرست ہیں۔

بھارت میں مسلمانوں کے خلاف بڑھتے ہوئے تشدد کی ایک اور بڑی وجہ ہندو قوم پرست جماعتوں کا پھیلاؤ ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے دور حکومت میں مسلم مخالف جذبات میں کافی اضافہ ہوا، بی جے پی نے 2014 میں اقتدار میں آنے کے بعد ہندو قوم پرست ایجنڈے کو اپنایا، اس نے بھارت کو ایک ہندو ریاست بنانے کی پالیسیوں کی حمایت بھی کی۔ 2019 میں دوبارہ حکومت میں آنے کے بعد بی جے پی نے متعدّد متنازعہ پالیسیاں نافذ کیں جن میں مسلمانوں کے حقوق کو نظر انداز اور پامال کیا مثلاً شہریت ترمیمی ایکٹ، جو قریبی ممالک کے غیر مسلم تارکین وطن کے لیے فوری شہریت کی اجازت دیتا ہے، جب کہ مسلمانوں کے لیے اس میں ایسی کوئی شق شامل نہیں ہے۔

بھارت میں مسلمانوں کے خلاف تشدد سے نمٹنے میں قانون نافذ کرنے والے اداروں اور انصاف کے نظام کی ناکامی بھی جگ

ظاہر ہے۔ اکثر قانون نافذ کرنے والے ادارے ان مسلم کمیونٹیز کو مناسب تحفظ فراہم کرنے میں ناکام رہتے ہیں، بھارت میں قائم ایک غیر سرکاری تنظیم کامن کاز کی طرف سے جاری کردہ 2019 کی رپورٹ میں انکشاف کیا گیا ہے کہ سروے کیے گئے 50 فیصد پولیس افسران نے مسلمانوں کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کیا، جس کی وجہ سے اس کمیونٹی کو نشانہ بنانے والے جرائم میں مداخلت کے امکانات کم ہو گئے۔ بہت سے معاملات میں، مسلمانوں کے خلاف تشدد کے مرتکب افراد کو سیاسی اثر و رسوخ، بدعنوانی، یا نظام انصاف میں تعصب کی وجہ سے بھی سزا نہیں ملتی۔ حالیہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عدالتیں اور حکومتی ادارے مسلمانوں کے خلاف حملوں میں ہندوؤں کو ملوث کرنے والے مقدمات کو کالعدم قرار دے رہے ہیں۔ ان مقدمات میں بی جے پی کی ایک سینئر رکن مایا کوڈنانی کو بری کرنا اور 2002 کے گجرات فسادات کے کیس میں ان کے شریک ملزمان کو بری کرنا بھی شامل ہے، جہاں 97 لوگ مارے گئے تھے۔

پچھلی دو دہائیوں میں فرقہ وارانہ تشدد کی ان مثالوں میں 2002 کے گجرات فسادات بھی شامل ہیں، جس کے دوران گجرات میں ہندو ہجوم نے عصمت دری، لوٹ مار اور تشدد کی ایک ایسی کشمکش پیدا کی جو دو ماہ سے زائد عرصے تک جاری رہی۔ خواتین کی عصمتوں کو پامال کیا گیا، بچوں کو آگ لگا دی گئی اور باپوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا۔ تقریباً ایک ہزار لوگ مارے گئے جن میں زیادہ تر مسلمان تھے۔ مسلمانوں کے تقریباً 20,000 گھر اور کاروبار اور 360 عبادت گاہیں تباہ ہوئیں اور تقریباً 150,000 لوگ بے گھر ہوئے۔ فرقہ وارانہ تشدد کی ایک اور اہم مثال 2013 میں مظفر نگر فسادات تھے، جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جھڑپوں کے ایک سلسلے پر مشتمل تھا جس کے نتیجے میں 60 سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔

مئی 2015 اور دسمبر 2018 کے درمیان ہندوستان کی 12 ریاستوں میں کم از کم 44 افراد، جن میں سے 36 مسلمان تھے، مارے گئے۔ اسی عرصہ میں، 20 ریاستوں میں 100 سے زیادہ مختلف واقعات میں تقریباً 280 افراد زخمی ہوئے۔ 2020 کی نئی دہلی جھڑپوں میں، شہریت ترمیمی قانون کے خلاف مظاہروں کے دوران مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان تشدد پھوٹ پڑا، جس کے نتیجے میں تقریباً 50 افراد ہلاک ہوئے، جن میں سے 38 مسلمان تھے۔ تشدد کے تازہ ترین واقعات کے لحاظ سے، اگست 2023 میں، ہریانہ کے نوح علاقے میں تشدد میں سات افراد ہلاک اور 70 سے زیادہ زخمی ہوئے۔ مزید برآں، 8 فروری 2024 کو ہلدوانی تشدد کے واقعے میں کم از کم چھ افراد ہلاک ہوئے جن میں پانچ مسلمان بھی شامل تھے۔ ہجومی تشدد اور پولیس فائرنگ میں شامل جھڑپوں میں دو درجن سے زیادہ شہری اور 100 سے زیادہ پولیس اہلکار زخمی ہوئے۔

اس وقت ہندوستان میں مسلم کمیونٹیز میں عدم تحفظ، خوف، کمزوری اور بد اعتمادی وسیع ترین احساس گھر کیے ہوئے ہے۔ عدم تحفظ کی یہ فضا مسلم عوامی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو محیط ہے۔ ایک سروے سے پتا چلا ہے کہ ہندوستان کے 79 فیصد مسلمان نہ صرف مزید تشدد بلکہ مسلسل حکومتی ظلم و ستم سے بھی ڈرتے ہیں۔

دیکھا جائے تو آج ہندوستان میں اقتصادی شراکت کی پابندی کے علاوہ، سماجی شرکت کا فقدان بھی ہے۔ ایسے میں ہمیں اپنے وجود کی بقا کے لیے سیاسی پلیٹ فارم پر من حیث القوم اپنی موجودگی درج کرانے کی سخت ضرورت ہے، ورنہ وہ دن دور نہیں جب ہندوستان بھی مسلمانوں کے لیے اگلا اسپین ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ قوم مسلم کو انتشار کی مسموم ہواؤں سے محفوظ رکھے، اور وہ قومی و ملی شعور عطا فرمائے جو ہمارے اسلاف کو عطا فرمایا تھا۔ آمین یارب العالمین۔ ▪▪▪

تفہیم قرآن

قرآن اور نمازِ پنج گانہ

مولانا محمد حبیب اللہ بیگ ازہری

ہر مسلمان مرد وعورت پر دن بھر میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں، ان کی فرضیت کتاب وسنت سے ثابت ہے، اسی لیے ان کی فرضیت کا اعتقاد لازم اور ضروری ہے، قرآن کریم نے مختلف مقامات پر نماز پنج گانہ کا ذکر کیا۔ ایک اندازے کے مطابق قرآن کریم میں چار مختلف طریقوں سے نماز پنج گانہ کا ذکر کیا گیا ہے، اور وہ طریقے یہ ہیں۔

1- قرآن کریم نے اقامت صلاۃ کے عنوان سے نماز پنج گانہ کا ذکر کیا۔

2- صبح وشام اللہ کی تسبیح اور اس کی پاکی بیان کرنے کا حکم دیا، جس سے مقصود نماز قائم کرنا ہے۔

3 – نمازوں کے اوقات ذکر کرکے ان میں نماز قائم کرنے کی تاکید کی۔

4- بعض نمازوں کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا۔

اس طرح چار مختلف عناوین کے تحت بے شمار مقامات پر نماز پنج گانہ کی تعلیم دی گئی ہے، جس کی قدرے تفصیل اس مقالے میں پیش کی جائے گی، ملاحظہ فرمائیں۔

نماز قائم کرو:

اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے: وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ [سورۂ بقرہ: 43]

نماز قائم کرو، اور زکات ادا کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

جا بجا قرآن کریم میں فرمایا گیا: اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ، یعنی نماز قائم کرو، اور بے شمار مقامات پر اسی اقامت صلات کے مختلف مشتقات وارد ہوئے، جس سے مراد پنج گانہ نماز ہے، کیوں کہ امر وجوب کے لیے آتا ہے، اور جو نماز لازم اور ضروری ہے وہ پنج وقتہ نماز ہی ہے۔

جن آیات میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ، وارد ہوا ان میں نماز پنج گانہ کے بجائے کسی ایک مخصوص وقت کی نماز مراد نہیں لی جا سکتی، کیوں کہ بلا تفریق وامتیاز پانچوں وقت کی نمازیں فرض ہیں، یوں ہی کوئی نفلی نماز بھی مراد نہیں لی جا سکتی، کیوں کہ یہ تقاضائے امر کے خلاف ہے، لہٰذا ارشاد باری: اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ، کا مفہوم یہ ہوگا کہ دن بھر میں پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔

صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو:

اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۴۲﴾ [سورۂ احزاب: 42]

اے ایمان والو! اللہ کا خوب ذکر کرو، اور صبح وشام اس کی تسبیح بیان کرو۔

دوسرے مقام پر فرمایا: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ﴿۹﴾ [سورۂ فتح: 9]

اے محبوب! بے شک ہم نے آپ کو گواہ بنا کر بھیجا، خوش خبری دینے والا اور خبر دار کرنے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ اے لوگو! تم اللہ پر ایمان لاؤ، اس کے رسول کی تعظیم وتوقیر کرو، اور صبح وشام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔

ان آیات میں تسبیح کے دو معانی مراد لیے جا سکتے ہیں،

ایک: اللہ کی پاکی بیان کرنا اور اسے ہر عیب و نقص سے دور بتانا۔
دوسرے نماز ادا کرنا، کیوں کہ نماز میں اللہ کی تسبیح و تہلیل ہوتی ہے، اور اسی کی حمد و ثنا اور پاکی بیان کی جاتی ہے۔
اگر ان آیات میں تسبیح سے مراد اللہ کی پاکی بیان کرنا ہو تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے رہو، بطور خاص طلوع و غروب کے وقت اس کی تسبیح بیان کرو، کیوں کہ صبح و شام اللہ کی عظیم قدرتوں کے ظہور کے اوقات ہیں۔
اور اگر ان آیات میں تسبیح سے مراد نماز ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ صبح و شام نماز پڑھو، یعنی صبح میں فجر کی نماز پڑھو، اور جب سورج ڈھل جائے اور شام کا سفر شروع کر دے تو ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نماز ادا کرو۔ بلفظ دیگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دن کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک صبح، دوسرے شام، صبح کے حصے میں فجر پڑھو، اور شام کے حصے میں باقی نمازیں ادا کرو، اس آیت کے تحت تفسیر نسفی میں ہے:
[بُكْرَةً]صلاۃ الفجر۔ [وَّ اَصِيْلًا] الصلوات الأربع۔
یعنی [بُكْرَةً] سے مراد فجر ہے، اور [وَّ اَصِيْلًا] سے مراد باقی نمازیں ہیں۔

مختلف اوقات میں نماز قائم کرو:

قرآن کریم میں نماز پنج گانہ کے ذکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نمازوں کے اوقات ذکر کر کے ان میں نماز قائم کرنے کی تاکید کی گئی، ہم یہاں ایسی چند آیات پیش کریں گے جن میں اولاً اوقات نماز کی تحدید کی گئی، پھر انھی اوقات میں اللہ کی حمد و ثنا اور اسی کے ذکر و تسبیح کی تاکید کی گئی، جن کی تفسیر کرتے ہوئے ائمہ تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سے مقصود پنج گانہ نماز کی ادائگی ہے، آیات ملاحظہ فرمائیں۔
1- اللہ وحدہ لاشریک کا ارشاد ہے: وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ۝۱۱۴ -[سورہ ہود:114]
دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ لمحات میں نماز قائم کرو، بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔
اس آیت میں دن کے دونوں کناروں میں اور رات کی قریبی ساعتوں میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جس کے لیے طَرَفَيِ النَّهَارِ اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ کے معانی سمجھنے ہوں گے، طرف کا معنی ہے: کنارا۔ اور طَرَفَيِ النَّهَارِ کے معانی ہیں: دن کے دونوں کنارے، یعنی دن کے شروع اور آخر کے حصے۔ اور النَّهَارِ کا معنی ہے: دن، نہار کے دو مصداق ہوتے ہیں: ایک نہار عرفی، دوسرے نہار شرعی۔
نہار عرفی یعنی عرف عام میں جسے دن کہا جاتا ہے، عرف عام میں دن کا آغاز طلوع آفتاب سے ہوتا ہے، اور غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے۔ نہار شرعی یعنی جسے اصطلاح شرع میں دن کہا جاتا ہے، عند الشرع دن کا آغاز صبح صادق سے ہوتا ہے، اور غروب آفتاب پر ختم ہوتا ہے، اصطلاح شرع کے مطابق صبح صادق کے ساتھ ہی دن کا آغاز ہو جاتا ہے، اور صبح کا وقت دن کا ایک کنارا ہوتا ہے، اس لیے دن کے ایک کنارے کی نماز سے مراد فجر کی نماز ہوگی، اور دن کے دوسرے کنارے کی نماز سے مراد ظہر و عصر کی نماز ہوگی، عصر کی نماز براہ راست دن کے دوسرے کنارے میں ادا کی جاتی ہے، جب کہ ظہر کی نماز دن کے درمیانی حصہ میں ادا ہوتی ہے، اس کے باوجود اسے دوسرے کنارے کی نماز میں شامل کیا جاتا ہے، کیوں کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد سے شروع ہو کر عصر تک باقی رہتا ہے، اس طرح ظہر کی نماز بھی دن کے دوسرے کنارے میں ادا ہوتی ہے، اسی لیے ظہر کو بھی کنارے کی نماز میں شامل مانا جاتا ہے۔
واضح رہے کہ اس توجیہ کی ضرورت اس وقت پیش آئے گی جب طرف سے اس کا حقیقی کنارا مراد ہو، لیکن اگر دن کے دو حصے مانے جائیں، اور ہر حصے کو ایک طرف سے تعبیر کیا جائے تو کسی توجیہ کی ضرورت نہیں ہوگی، کیوں کہ ایک حصے کی نماز سے فجر اور دوسرے حصے کے نماز سے ظہر و عصر مراد ہوگی۔ زُلَف، یہ زُلفَۃ کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: رات کے ابتدائی اوقات، اس سے مراد مغرب

وعشا کی نماز ہے، کیوں مغرب کی نماز غروب کے معًا بعد اور عشا کی نماز ثلث لیل یعنی تہائی رات سے پہلے ادا کی جاتی ہے۔

اس تفصیل سے خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا آیت میں نماز پنج گانہ کا ذکر کیا گیا ہے، اور ان کے اوقات کی بھی تحدید کر دی گئی ہے۔

2 – اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ [سورۂ اسراء:۷۸]

زوال آفتاب سے لے کر رات تاریک ہونے تک نماز قائم کرو، اور فجر کی نماز ادا کرو، بے شک نماز فجر کی تلاوت میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

اس آیت میں نماز پنج گانہ کا ذکر ہے، کیوں کہ اس آیت میں جو لفظ دلوک آیا ہے، اس کا معنی ہے: زوال یعنی بیچ آسمان سے سورج کا ڈھلنا۔ اور غَسَقِ الَّيْلِ کا معنی ہے: رات کی تاریکی۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ زوال آفتاب سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک نماز ادا کرو، اس پورے وقت میں کل چار نمازیں ادا کی جائیں گی، ظہر و عصر اور مغرب و عشا، باقی ایک نماز رہ جاتی ہے، جس کے لیے فرمایا: قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ یعنی فجر کی نماز قائم کرو، چوں کہ تلاوت نماز کا ایک اہم رکن ہے، اس لیے اس کی رکنیت اور صبح کی تلاوت کی اہمیت بتانے کے لیے فرمایا کہ فجر کی تلاوت کرو۔

اس طرح اس آیت میں اوقات نماز کی وضاحت کے ساتھ پانچوں نمازوں کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

3 – رب ذو الجلال کا ارشاد ہے: فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝۱۳۰ ۔[سورۂ طٰہٰ:۱۳۰]

اے محبوب! ان کی باتوں پر صبر کرو، اور طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرو، اور رات کے کچھ لمحات میں اور دن کے کناروں میں اس کی پاکی بیان کرو، تاکہ تم خوش ہو جاؤ۔

ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی، آپ کو صبر کی تلقین کی گئی، اور اس بات کا حکم دیا گیا کہ صبح و شام تسبیح کرو، اور دن و رات میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کرو، تاکہ اللہ کی طرف سے ملنے والے اجر و ثواب اور انعام و اکرام کو دیکھ کر خوش ہو جاؤ، اور اس کی عطاؤں پر راضی ہو جاؤ۔

ان آیات میں مختلف اوقات میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے، اگر کلمۂ تسبیح کو اپنے عموم پر برقرار رکھا جائے تو معنی ہوگا کہ مذکورہ اوقات میں اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرو، اور اگر اس سے نماز مراد لی جائے تو معنی ہوگا کہ متعیّنہ اوقات میں نماز ادا کرو، اس طرح ان آیات سے نماز پنج گانہ کا اثبات کیا جاتا ہے، اس آیت کے تحت تفسیر رازی میں ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا

اس میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے، قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ میں طلوع شمس سے پہلے کی تسبیح سے مراد نماز فجر ہے، اور وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ میں غروب شمس سے پہلے کی تسبیح سے مراد ظہر و عصر ہے، مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ۔ یعنی رات کی ساعتوں میں تسبیح سے مراد مغرب وعشا ہے، اور اَطْرَافَ النَّهَارِ کے ذریعے ان نمازوں کی تاکید کی گئی ہے جو دن کے کناروں میں ادا کی جاتی ہے، یعنی فجر اور مغرب۔

اس آیت سے نماز پنج گانہ کے اثبات کے سلسلے میں اور بھی اقوال ملتے ہیں، جنھیں طوالت کے پیش نظر ذکر نہیں کیا جا سکتا۔

4– اللہ لم یزل عزوجل کا ارشاد ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝۱۷ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ۝۱۸ [سورۂ روم،17]

یعنی صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرو۔ آسمان و زمین میں اسی کے لیے حمد ہے، پچھلے پہر اور دوپہر کو۔

اس آیت کے تحت تفسیر جلالین، نسفی، بیضاوی، قرطبی اور آلوسی وغیرہ میں ہے کہ ارشاد باری: وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ جملہ معترضہ کے طور پر ہے، یعنی پہلی آیت میں صبح و شام تسبیح کا حکم دیا گیا، جس سے مراد فجر اور مغرب وعشا ہے، اور دوسری آیت میں پچھلے پہر اور دوپہر میں تسبیح کا حکم دیا گیا، جس

سے مراد ظہر وعصر ہے، درمیان میں بتایا گیا کہ صرف تم ہی اللہ کی تسبیح بیان نہیں کرتے، بلکہ آسمان وزمین کی ہر شے اللہ کی حمد وثنا کرتی ہے، اور اسی کی کبریائی اور بزرگی بیان کرتی ہے۔

اس آیت کے تحت تفسیر قرطبی میں ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نماز پنج گانہ کا ذکر قرآن میں ہے، پوچھا گیا، کہاں؟ فرمایا: اللہ نے فرمایا: فَسُبۡحٰنَ اللّٰهِ حِيۡنَ تُمۡسُوۡنَ ۔ شام کو تسبیح کرو، یعنی مغرب وعشا کی نماز ادا کرو۔ اور فرمایا: وَحِيۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ۔ اور صبح کو تسبیح کرو، یعنی نماز فجر ادا کرو۔ مزید فرمایا: وَعَشِيًّا وَّ ۔ پچھلے پہر میں تسبیح کرو، یعنی عصر کی نماز ادا کرو۔ اور اخیر میں فرمایا: وَّ حِيۡنَ تُظۡهِرُوۡنَ ۔ دو پہر میں تسبیح کرو، یعنی نماز ظہر ادا کرو۔

اس طرح مذکورہ بالا آیات میں بڑے واضح طور پر پانچوں نمازوں کے اوقات کی تعیین کے ساتھ ان کی ادائگی کا تاکیدی حکم ہے۔

1- پروردگار عالم کا ارشاد ہے: حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى ۚ وَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ قٰنِتِيۡنَ ۝ ۔[سورۂ بقرہ:238]

نمازوں کی محافظت کرو، اور (بطور خاص) درمیانی نماز کی، اور اللہ کے حضور طاعت گزار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

امام فخر الدین رازی رحمت اللہ علیہ اس آیت کے تحت رقم فرماتے ہیں:

مسلمانوں کا اجماع ہے کہ فرض نمازیں پانچ ہیں، اور اس آیت میں ان پانچ نمازوں کا ذکر ہے، کیوں کہ ارشاد باری: حٰفِظُوۡا عَلَى الصَّلَوٰتِ ۔ کی دلالت تین نمازوں پر ہوتی ہے، کیوں کہ جمع کی اقل مقدار تین ہے۔ پھر ارشاد باری: وَ الصَّلٰوةِ الۡوُسۡطٰى ۔ کی دلالت ایک ایسی نماز پر ہوتی ہے جو ان تین پر زائد ہو، ورنہ تکرار لازم آجائے گی، اور اصل یہ ہے کہ تکرار نہ ہو، پھر وہ زائد نماز چوتھی نہیں ہو سکتی، ورنہ ان نمازوں میں کوئی وسطی نہیں بن سکتی، تو لا محالہ ان چار نمازوں کے ساتھ ایک اور نماز کو ضم کرنا ہوگا، جس کی وجہ سے مجموعہ نمازوں کے لیے ایک نماز وسط بنے گی، اس طرح کل پانچ نمازیں ہو جائیں گی، اور اس آیت سے پنج گانہ نماز پر استدلال کیا جائے گا۔

بہر کیف یہ آیت گزشتہ آیات کی طرح اوقات کی تحدید تو نہیں کرتی، لیکن نماز پنج گانہ پر ضرور دلالت کرتی ہے، درمیانی نماز کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے، اور اللہ کے حضور تابع دار اور اطاعت گزار بن کر حاضر ہونے کی تاکید کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمازوں کے نام:

قرآن کریم میں بعض نمازوں کو ان کے ناموں کے ساتھ یاد کیا گیا ہے، فجر، عصر اور عشا کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

فجر کا ذکر: فجر کا معنی صبح ہے، اور قرآن کریم میں یہ کلمہ پانچ بار آیا ہے، سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 187 میں لفظ فجر صبح کے معنی میں ہے، سورۂ فجر کی پہلی آیت میں بھی صبح کے معنی میں ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد نماز فجر ہے، اوقات نماز کے ضمن میں ابھی پیچھے گزرا کہ سورۂ اسراء کی آیت نمبر 78 میں دو مرتبہ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ۔ آیا ہے، اور اس سے مراد نماز فجر ہی ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ نور میں صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ وارد ہوا ہے، فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لِيَسۡتَاۡذِنۡكُمُ الَّذِيۡنَ مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ وَالَّذِيۡنَ لَمۡ يَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡكُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنۡ قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَمِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ الۡعِشَآءِ ۔[سورۂ نور:58]

اے ایمان والو! تمھارے غلام اور تمھارے نابالغ تم سے تین اوقات میں اجازت لیں، نماز فجر سے پہلے، دو پہر میں جب کپڑے اتارو، اور نماز عشا کے بعد۔

کسی بھی شخص کو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے، ہاں بربنائے ضرورت نابالغ اور غلام کے لیے رخصت ہے، لیکن تین اوقات ایسے ہیں کہ ان میں غلام اور نابالغ کو بھی بلا اجازت داخلے کی اجازت نہیں، اور وہ اوقات ہیں، نماز فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت، اور نماز عشا کے بعد۔ ان اوقات میں اجازت کا حکم اس لیے دیا گیا کہ یہ اپنے اہل سے ملنے اور آرام کرنے کے اوقات ہیں، جن میں عموماً اضافی لباس اتار کر آرام کیا جاتا ہے جس سے ستر کھلنے کا اندیشہ رہتا ہے، (باقی ص:18 پر)

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین
سوال آپ بھی کر سکتے ہیں

آپ کے مسائل

مفتی محمد نظام الدین رضوی

جی پی ایف کی زکات کیسے ادا کی جائے؟

سوال: گورنمنٹ ملازمین کو جو جی، پی ایف کا پیسہ کٹتا ہے اس کی زکات کب اور کیسے ادا کی جائے؟

جواب: اس میں دو صورتیں ہیں: اول فنڈ یعنی (G.P.F.) میں جو روپے حکومت تنخواہ سے ہر ماہ کاٹ کاٹ کر جمع کرتی ہے، اس میں دو طرح روپئے شامل کرتی ہے۔ ایک وہ روپے جو اپنے ملازم کی تنخواہ سے کاٹ کر جمع کرتی ہے، یہ اصل رقم ہے۔ اور دوسرے وہ روپئے جو حکومت اس پر اپنی طرف سے نفع کے طور پر شامل کرتی رہتی ہے۔ تو جو رقم تنخواہ سے کٹ کر جمع ہوئی، یا ہو رہی ہے یا کوئی بونس ملا ہے ایسی تمام رقوم پر سال بہ سال زکات واجب ہے۔ رہ گیا نفع کا مسئلہ تو جب نفع کی پوری رقم قبضے میں آجائے تو اس سال کے مال نصاب کے ساتھ اسے جوڑ کر اس کی زکات دیں۔ یہاں یہ امر واضح رہے کہ نفع پر زکات کے وجوب و عدم وجوب کی بنیاد اس امر پر ہے کہ کھاتے میں اس کا اندراج شرعاً قبضہ ہے یا نہیں۔ اصل مذہب کی بنا پر تحقیق ہے کہ وہ قبضہ نہیں ہے اس لیے قبضہ سے پہلے اس کی زکات واجب نہ ہوگی، لیکن حالات بدل رہے ہیں، لوگ اپنے طور پر اس اندراج کو ہی قبضہ کے لیے کافی سمجھتے ہیں ممکن ہے آگے چل کر حالات اس قدر بدل جائیں کہ عوام و خواص اس کے ساتھ قبضہ جیسا معاملہ کرنے لگیں تو اس وقت حکم بدل سکتا ہے۔ فی الحال حکم شرع یہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کمرے سے جو آمدنی ہو، اس پر زکات کا حکم

سوال: ہمارے پاس بہت سے کمرے ہیں جن کو ہم نے کرایہ پر دے رکھا ہے، تو کیا کمروں کی قیمت پر زکات دینی ہوگی یا پھر کرایے سے جو آمدنی ہوتی ہے اس پر؟

جواب: کمروں کی جو اصل قیمت ہے اس پر زکات قطعًا نہیں، بلکہ صرف اس سے حاصل ہونے والے کرایے کے روپئے پر زکات فرض ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ہائی ڈپوزٹ جائز ہے یا ناجائز اور اس زکات کا حکم

سوال: ہائی ڈپوزٹ کا رواج ممبئی میں بڑھتا جا رہا ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ کسی صاحب مکان کو لمبی رقم دے کر اس کا مکان لے لیتے ہیں پھر اسے کرایے پر دے کر نفع حاصل کرتے ہیں جب اس کی دی ہوئی لمبی رقم اسے واپس ملتی ہے تو یہ اسے اس کا مکان واپس کر دیتا ہے۔ اس کو ہائی ڈپوزٹ کہا جاتا ہے۔ مزید عرض ہے کہ اس لمبی رقم کی زکات کس پر فرض ہے؟

جواب: ہائی ڈپوزٹ کا یہ معاملہ درحقیقت قرض اور سود کا معاملہ ہے، وہ لمبی رقم جسے ہائی ڈپوزٹ کہا جاتا ہے شرعاً قرض ہے اور قرض دے کر مقروض کے مکان سے نفع حاصل کرنا سود ہے، حدیث میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ حضور سید عالم صلی الہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كل قرض جَرَّ نفعًا فهو ربوٰ.

قرض کی وجہ سے جو نفع ملے وہ سود ہے۔ (مسند حارث)

مال قرض کی زکات قرض خواہ پر فرض ہوتی ہے اس لیے قرض دینے والا اس کی زکات ادا کرے۔ ساتھ ہی مقروض کے مکان سے اس نے جو نفع کمایا وہ بھی اسے واپس کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسافر خانے کو یتیم خانہ بنانا

سوال: احمد آباد کے ایک علاقہ سرکھیز میں ایک مسافر خانہ ہے جو کہ فی الحال ویران پڑا ہوا ہے چالیس پچاس سال سے وہ بند ہے یعنی وہاں نہ ہی مسافرین کا آنا جانا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی دیکھ بھال کرتا ہے مزید یہ مسافر خانہ گجرات وقف بورڈ میں بھی درج ہے لیکن وقف بورڈ سے بھی اس کی حفاظت و نگہبانی کا معاملہ نہیں ہو پا رہا ہے۔ مزید اس مسافر خانے میں بھیک مانگنے والے رہتے ہیں اور اب اس جگہ دوبارہ مسافر خانہ چلنا مشکل ہے اور اس بات کا بھی قوی امکان ہے کہ آگے چل کر اس وقف کی جگہ پر کوئی ناجائز قبضہ کر کے اس کا غلط استعمال کرے لہٰذا چند افراد اس مسافر خانے کی مرمت کر کے اس کو یتیم بچوں کی رہائش کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں اس طرح اس وقفی زمین کی حفاظت بھی ہو جائے گی اور یتیم بچوں کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی۔ ایک شخص جو کہ وقف بورڈ کے کاموں کو انجام دیتا ہے اس کا کہنا ہے کہ وہ وقف بورڈ سے اجازت کا معاملہ حل کر سکتا ہے اس طرح قانونی پیچیدگیاں بھی نہیں ہوگی۔

مذکورہ معلومات کی روشنی میں یہ سوال پوچھنا ہے کہ کیا اس مسافر خانے کو یتیم بچوں کی رہائش کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے؟

جواب: مسافر خانہ کو اصل مذہب کے مطابق یتیم خانہ بنانا جائز نہیں کہ یہ غرض وقف کو بدل کر دوسری غرض میں استعمال کرنا ہے جو شرعاً جائز نہیں۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: وَلَا یَجُوزُ تَغْیِیرُ الْوَقْفِ عَنْ هَیْئَتِهِ فَلَا یَجْعَلُ الدَّارَ بُسْتَانًا وَلَا الْخَانَ حَمَّامًا وَلَا الرِّبَاطَ دُکَّانًا، إِلَّا إِذَا جَعَلَ الْوَاقِفُ إِلَی النَّاظِرِ مَا یَرَی فِیهِ مَصْلَحَةَ الْوَقْفِ، کَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ. (الفتاوی الهندیة، ج:2، ص:490، کتاب الوقف/ الباب الرابع عشر في المتفرقات، دار الفکر، بیروت)

لیکن اگر وہاں فی الحال مسافر خانہ نہ چل سکے تو یتیموں کی رہائش کے لیے مناسب اجرت پر اسے استعمال کرنا جائز ہو گا۔ ”ما یری فیه مصلحة الوقف“ سے یہ روشنی ملتی ہے۔

مسلمان پہلے مسافر خانہ کی مرمت و اصلاح اور اصل غرض میں اس کے استعمال کے لیے چند دین دار اور انتظامی امور کے تجربہ کار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائیں جس میں دو متولی ہوں ایک ناظم اور کم از کم تین ارکان۔ یہ لوگ کچھ خدا ترس علما کو ساتھ لے کر یہ جائزہ لیں کہ مسافر خانہ کیوں بند ہوا۔ کیا وہاں مسافر نہیں آتے تھے؟ یا اچھے انتظام کار نہیں رہ گئے تھے؟ اگر اچھے انتظام کار نہ ہونے کی وجہ سے مسافر خانہ بند ہوا تو وہ کمیٹی یہ کمی دور کرے اور مسافر خانہ کی اصلاح و مرمت کے بعد وہاں اچھے افراد رکھے۔ ان شاء اللہ تھوڑے دنوں میں مسافر خانہ آباد ہو جائے گا۔

اور اگر وہاں مسافرین کی آمد نہیں ہوتی تھی اور محل وقوع کے پیش نظر اب بھی غالب گمان یہی ہے کہ وہاں مسافروں کی آمد نہ ہوگی تو بھی اس کی اصلاح و مرمت کر کے اسے حال سابق پر لانے کی کوشش کریں اور اس صورت میں اس کے کچھ کمرے یتیموں کی رہائش کے لیے استعمال کیے جا سکتے ہیں مگر یتیموں کی کفالت کرنے والی کمیٹی کو چاہیے کہ ان کمروں کا مناسب کرایہ دیں تاکہ اسے مقصد کے قریب رکھا جا سکے ارشاد نبوت ہے: "فسدِّدوا و قاربوا" (رواہ البخاری)

ہمیں ایسا لگتا ہے کہ انتظام کاروں کی غفلت و لاپرواہی سے مسافر خانے کا یہ حال ہوا، انتظامات اچھے ہوں اور لوگ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئیں تو مسافر وہاں بھی پہنچیں گے۔ اس لیے مسلمان خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ اچھے افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دیں جو مسافر خانے کی اصلاح و مرمت کے بعد پر کشش انتظامات رکھے لوگوں کو اس کی طرف راغب کرے تو تھوڑے دنوں میں وہ مسافر خانہ ان شاء اللہ آباد ہو جائے گا۔

بے سہارا یتیموں کے لیے کوئی انتظام نہ ہو تو کرایہ پر دو تین یا حسب حاجت کم و بیش کمرے لے کر یتیموں کی رہائش و کفالت کا انتظام کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ▫▫▫

فکر امروز

مسلم لڑکیاں ارتداد کے دہانے پر

اقرار احمد

یہ دور فتنے کا دور ہے طرح طرح کے فتنے جنم لے رہے ہیں، جیسے جیسے ذرائع ابلاغ بڑھتے جا رہے ہیں اتنے ہی فتنے بڑھتے جا رہے ہیں ان فتنوں میں ایک فتنۂ ارتداد بھی سر اٹھا رہا ہے۔ اس فتنے کا زہر مسلم معاشرہ میں تیزی سے پھیل رہا ہے، مسلم لڑکیاں ارتداد کے دہانے پر ہیں، رات دن مسلم لڑکیوں کو مرتد بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہے، اس دور کا یہ فتنہ اُمّت کے لیے بڑا چیلنج ہے اپنوں کا دین اسلام سے پھر جانا اور مرتد ہو جانا کتنے دکھ اور افسوس کی بات ہے۔

عزیزان گرامی! باقاعدہ ایک منظم سازش کے تحت مسلم لڑکیوں کو ٹارگیٹ کیا جا رہا ہے اور وہ ان کے جال میں پھنستی جا رہی اور اسلام سے دوری اختیار کر رہی ہیں، اب وقت صورت حال بڑا ہی نازک ہے۔ ایک طرف شرعی قوانین پر حملے کیے جا رہے ہیں تو دوسری طرف فرقہ پرست طاقتیں مسلم بچیوں کو ارتداد کے دہانے تک پہنچا رہی ہیں۔ میڈیا کے ذریعے نئی نسل کا ذہن خراب کیا جا رہا ہے، ہر طرف اسکولوں اور کالجوں میں بے حیائی کا ماحول بنایا جا رہا ہے۔ نئی نسل عیش و عشرت کے راستے پر چل رہی ہے، عورتیں بے پردہ ہو چکی ہیں، اللہ رب العزت کے احکام سے بغاوت کر رہی ہیں، زنا آسان ہو گیا ہے۔ کل تک اغیار اپنے اکثریتی علاقے میں ظلم و ستم کا کھیل کھیلتے تھے اب وہ اتنے بے لگام ہو چکے ہیں کہ ہماری آبادیوں میں گھس کر ہماری بہن بیٹیوں کی عزت و آبرو پامال کر رہے ہیں۔

ملک کے مختلف علاقوں سے یہ روح فرسا خبریں مسلسل آ رہی ہیں کہ مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے شادی کر رہی ہیں اور دین و ایمان، ضمیر و حیا بیچ کر اپنے خاندان، سماج اور معاشرہ پر بدنامی کا داغ لگا رہی ہیں، اس طرح اکّا دُکّا واقعات پہلے بھی پیش آتے رہے ہیں لیکن ادھر چند سالوں سے باضابطہ پلاننگ کے تحت مسلم لڑکیوں کو جال میں پھنسایا جا رہا ہے اور آئے دن لڑکیاں بے حیائی کے راستے پر چل کر مرتد ہو رہی ہیں۔

لو جہاد نام کی کوئی چیز اس ملک میں نہیں ہے، البتہ یہ شوشہ صرف اس لیے چھوڑا گیا تاکہ ہندو نوجوانوں میں انتقامی جذبہ ابھارا جائے اور خود مسلمانوں کو لو جہاد میں الجھا کر مسلم لڑکیوں کو تباہ و برباد کیا جائے، پہلے یہ بات ڈھکی چھپی تھی اب بالکل واضح ہو گئی ہے۔ باضابطہ ایسے نوجوانوں کی ٹیم تیار کی گئی ہے جس کا کام ہی مسلم لڑکیوں کو تباہ و برباد کرنا ہے، یہ لوگ ہمدردی کے نام پر کسی مسلم لڑکی سے قریب ہوتے ہیں پھر محبت کا فریب دے کر شادی کا وعدہ کرتے ہیں اور پھر جنسی استحصال کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اور جب وہ لڑکی عفت و عصمت کا گوہر لٹا چکتی ہے اور اس لڑکے سے شادی پر اصرار کرتی ہے تو پھر کورٹ میں کورٹ میریج کی درخواست دی جاتی ہے پھر وہ درخواست جس پر دونوں کا فوٹو ہوتا ہے اس کی تصویر سوشل میڈیا پر وائرل کر دی جاتی ہے، جب مسلمانوں کو خبر ہوتی ہے تو اس شادی کو روکنے کی بھرپور کوششیں کرتے ہیں، سماجی دباؤ بنایا جاتا ہے۔ شادی رک

ٹانڈہ، ضلع امبیڈکر نگر (یوپی)

پانا محال ہو جاتا ہے، لڑکی کی نگاہ میں اس کے ماں، باپ، بھائی، بہن، سماج، مذہب کے لوگ سب مجرم اور دشمن لگنے لگتے ہیں اور غیر مسلم لڑکے کو کلین چٹ مل جاتی ہے، وہ لڑکی کو ترک مذہب پر آمادہ کرتا ہے اور پھر شادی کر کے چند مہینے ساتھ رہتا ہے اس کے بعد آئے دن لڑائی اور جھگڑے، چوں کہ اس شادی کی وجہ سے یہ لڑکی اپنے خاندان اپنے سماج سے بالکل کٹ چکی ہوتی ہے اور واپسی کے دروازے بند ہو چکے ہوتے ہیں اس لیے اس شوہر کے ساتھ رہنا اس کی مجبوری ہے جس سے فائدہ اٹھا کر لڑکی پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں، انجام کار لڑکی نہ دین کی ہوتی ہے نہ دنیا کی۔

اس گھناونے کھیل میں سب سے بڑا اور کھلا میدان کالج ہے۔ تعلیم نے اس کھیل کے لیے بہترین اور محفوظ اسٹیج فراہم کیا ہے، ٹرینڈ غیر مسلم لڑکوں کو کالج میں داخل کیا جاتا ہے، اور کچی عمر کی نوجوان لڑکیاں بہت جلد ان کے ہتھکنڈوں سے متاثر ہو کر ان کی آغوش میں چلی جاتی ہیں اور پھر یہی بے حیائی انھیں ارتداد تک پہنچاتی ہے۔

ان کا ایک ہتھکنڈا یہ بھی ہے وہ مسلم لڑکیاں جو دینی مزاج اور گھر کی تربیت کی وجہ سے کچھ محتاط ہوتی ہیں ان کو قابو میں لانے کے لیے غیر مسلم لڑکیوں کا سہارا لیا جاتا ہے، وہ لڑکیاں اس لڑکی سے دوستی کرتی ہیں پھر وہ اپنے بھائی اور دوست کی حیثیت سے غیر مسلم لڑکوں سے ان کا تعارف کراتی ہیں اور پھر بات بڑھتے بڑھتے ارتداد تک پہنچ جاتی ہے۔

ایک حربہ یہ بھی ہے کہ موبائل اور زیراکس فوٹو کاپی کی دکانوں کے ذریعہ مسلم لڑکیوں کے موبائل نمبر اور ان کی تصویریں اور دوسری معلومات ان لڑکوں تک پہنچائی جا رہی ہے، جو اس کام پر مامور ہیں، سوشل میڈیا کے ذریعہ بھی مسلم لڑکیوں سے فیس بک وغیرہ پر دوستی کرتے ہیں اور جب بات آگے بڑھ جاتی ہے اور ملاقاتیں شروع ہو جاتی ہیں تو بالآخر راز کھل جاتا ہے کہ محبوب مسلمان نہیں ہے، تب تک بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور لڑکی مجبور کر دی جاتی ہے۔

ان کی ایک سازش یہ بھی ہے کہ یہ مسلم لڑکیوں کو ورغلانے اور دامِ فریب میں پھنسانے کے لیے پیسے خرچ کرتے ہیں، قیمتی تحائف دیے جاتے ہیں، ہمدردی کا ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ کسی طریقے سے اگر یہ معلوم ہو گیا کہ یہ لڑکی پریشان ہے یا اس کے گھر کے حالات صحیح نہیں ہیں یا گھر والے اس پر توجہ نہیں دیتے ہیں تو فوراً بھیڑ کی کھال اوڑھ کر کوئی بھیڑیا سامنے آجاتا ہے اور مصنوعی ہمدردی کا ڈرامہ رچاتا ہے اور مشکلات و پریشانیوں سے جوجھ رہی لڑکی اسے اپنا ہمدرد سمجھ کر اس کے فریب میں آکر اپنی آبرو کھو دیتی ہے اور محبت میں گرفتار ہو کر دین و ایمان تک سے محروم ہو جاتی ہے۔

صورت حال بڑی سنگین ہے جس پر فوراً توجہ کی ضرورت ہے پانی سر سے نہیں چھت سے اونچا ہوتا جارہا ہے، ہم کب بیدار ہوں گے؟ خوابِ غفلت کب تک؟ نظر انداز کرنے کا مزاج کب تک؟ آج حالات اس قدر خراب ہو چکے ہیں کہ ایسے میں خاموشی کو سنگین جرم سمجھا جانا چاہیے۔

یہ ایسا مسئلہ ہے جسے جلسوں اور مجلسوں کا موضوع بنایا جانا چاہیے اور خاندانی نظام کی اصلاح پر بھرپور توجہ دی جانی چاہیے۔ ارتداد کی اس آندھی کو روکنے کے لیے آپ حضرات کی خدمت میں چند احتیاطی تدابیر پیش ہیں جن پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔

(1)-اسلامی نظام کے مطابق مسلم بچیوں کو پردے کا پابند بنایا جائے، ان میں حیا، عفت و عصمت کے تحفظ کا جذبہ بیدار کیا جائے، دین و ایمان کی حفاظت کا جذبہ پیدا کیا جائے، روزانہ گھروں میں کچھ دیر ہی سہی اسلامی تعلیمات کا اہتمام و انتظام کیا جائے۔

(2)-جو لڑکیاں اسکول اور کالجز میں زیر تعلیم ہیں ان کی دینی تعلیم و تربیت کی بھرپور کوشش کی جائے، ان کے عادات

اطوار و اخلاق پر نظر رکھی جائے، خارجی مطالعہ کے لیے انھیں اسلامی کتابیں دی جائیں۔

(3)-ٹیوشن کلاس کے نام پر اجنبی لڑکیوں سے نہ ملنے دیا جائے۔ کسی ٹیچر یا طالب علم کے ساتھ یا ان کے گھر تعلیمی ضرورت کے نام پر جانے کی اجازت نہ دی جائے، کالج آنے اور جانے کا خود انتظام کیا جائے۔

(4)-مخلوط نظام تعلیم والے اسکولوں اور کالجز سے پرہیز لازمی اور ضروری ہے۔

(5)- موبائل فون سے بچیوں کو دور رکھا جائے، والدین اور سرپرستوں کی ذمہ داری ہے کہ اگر لڑکیوں کو موبائل دے رکھا ہے تو وقتاً فوقتاً ان کے موبائل چیک کرتے رہیں۔ کیوں کہ آج کے دور میں موبائل وہ بلا ہے جو عفت وعصمت کے زیاں کا سبب بنتا ہے۔

(6)-موبائل ریچارج یا فوٹو کاپی وغیرہ کے لیے غیر مسلموں کی دکانوں پر جانے کی اجازت نہ دی جائے کالج کے اندر یا اس کے قریب غیروں کے کنکشن سے بچنے کی ہدایت دی جائے۔

(7)-غیر مسلم لڑکیوں سے دوستی سے روکا جائے کیوں کہ آئندہ یہ دوستی بڑے فتنے کا سبب بن سکتی ہے۔

(8)-بچیوں کے مسائل اور پریشانیوں پر پوری توجہ دی جائے یاد رکھیے گھر کی بے توجہی بھی باہر کا راستہ دکھاتی ہے۔

(9)-بچیاں اگر تعلیمی ضرورت سے انٹرنیٹ استعمال کر رہی ہیں تو اس کی بھرپور نگرانی کی جائے۔

(10)-بچے اور بچیوں کی اس طرح تربیت کی جائے کہ وہ بہ حیثیت داعیِ دین کام کر سکیں۔

ان تدابیر کے علاوہ بھی حسب حال اپنے اپنے طریقے سے احتیاط ضروری ہے۔ اللہ رب العزت اُمّت مسلمہ کو ہر فتنے سے محفوظ فرمائے، شریعت کا پابند بنائے، دین پر استقامت اور ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے، آمین۔ ■■■

(ص:13 کا بقیہ)...اسی لیے بلا تفریق سب کو اجازت لینے کا حکم دیا گیا۔

یہ تو آیت کا مفہوم ہوا، لیکن ہم نے یہ آیت اس لیے پیش کی کہ اس میں صراحت کے ساتھ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ۔ نماز فجر کا ذکر ہے۔

عصر کا ذکر: عصر کے کئی معانی ہیں، زمانہ، شام کا وقت، اور نماز عصر، قرآن کریم میں سورۂ عصر کے نام سے ایک مستقل سورت ہے، جس کی پہلی آیت میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

وَالْعَصْرِ۔ عصر کی قسم۔ یہاں عصر کی تعیین کے سلسلے میں کئی اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس میں زمانے کی قسم ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس میں شام کے وقت کی قسم ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ نماز عصر کی قسم ہے، کیوں نماز عصر کی بڑی اہمیت ہے، قرآن نے اسے صلاۃ وسطی کہا ہے، اور اس کی محافظت کی خصوصی تاکید کی ہے۔

عشا کا ذکر: عشارات کے ابتدائی حصے کو کہتے ہیں، سورۂ یوسف کی آیت نمبر ۱۶ میں لفظ عشاء آیا ہے، اور رات کے معنی میں آیا ہے، البتہ سورۂ نور میں لفظ عشاء آیا ہے، اور نماز ہی کے لیے آیا ہے، کیوں پورا لفظ صَلٰوۃِ الْعِشَآءِ۔ آیا ہے، جس کی تفصیل ابھی فجر کے بیان میں گزری۔

ظہر کا ذکر: ظہر کا معنی دوپہر ہے، قرآن میں لفظ ظہر تو نہیں ملتا، البتہ سورۂ نور میں الظَّهِيْرَةِ۔ بمعنی دوپہر آیا ہے، اور سورۂ روم میں تُظْهِرُوْنَ۔ آیا ہے، جس سے مراد دوپہر میں داخل ہونا ہے۔ اس طرح قرآن کریم نے نمازوں کو ان کے ناموں کے ساتھ ذکر کیا، اور ان پر مداومت برتنے کی تعلیم دی۔

ہماری پوری گفتگو سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کی بے شمار آیات میں نماز پنج گانہ کا ذکر کیا گیا، ان کے اوقات متعیّن کیے گئے، اور پانچوں نمازوں کو ان کے مسنون اوقات میں ادا کرنے کی تاکید کی گئی، واقعی وہ بڑے خوش نصیب ہیں جو نمازوں کو ان کے مستحب اوقات میں مسنون طریقے پر ادا کرتے ہیں، اللہ ہمیں نماز پنج گانہ باجماعت ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔ ■■■

شعاعیں

مال حرام سے پرورش پانے والے کی عبادت

محمد مدثر حسین اشرفی

اکل حلال اشد ضروری ہے، اس کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے لگائیں، جس میں رب تعالیٰ نے گروہ معصومین یعنی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو خطاب فرمایا کہ اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ واضح رہے کہ انبیاے کرام علیہم السلام قصداً غلطی نہیں کرتے ۔ ان حضرات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ انھیں ایسا عظیم الشان منصب عطا فرما کر لوگوں کی رشد وہدایت کے لیے منتخب فرمایا- حضرات انبیاے کرام علیہم السلام میں کسی نے تجارت، تو کسی نے زراعت اور دیگر مختلف پیشے اختیار فرمائے ۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ.(پ2 سورہ البقرہ آیت نمبر 188)

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو جان بوجھ کر۔ (کنزالایمان)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خان نعیمی اشرفی قدس سرہ رقم طراز ہیں:

"اگر چہ تَاْكُلُوا - اَكْلٌ سے بنا جس کے معنیٰ ہیں کھانا مگر یہاں کھانا پینا پہننا وغیرہ ہر قسم کے استعمال کی ممانعت مقصود ہے، اسی لیے اموال کو جمع فرمایا گیا اور اموالکم سے یا تو خود اپنے ذاتی مال مراد ہیں یا ایک دوسرے کے مال مگر بَیْنَكُمْ سے ظاہر یہ ہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال مراد ہیں باطل بطل، سے بنا۔ جس کے معنیٰ ہیں جانا رہنا اور مٹ جانا اس کی جمع بواطل اور ابطولہ کی جمع اباطیل ہے۔ شریعت میں ہر غلط چیز کو باطل کہا جاتا ہے کیوں کہ وہ مٹنے والی ہے یہاں اس سے خرچ اور آمدنی کے تمام ناجائز طریقے مراد ہیں۔ شراب خوری، حرام کاری فضول خرچی یہ سب باطل خرچ ہیں اور رشوت، غصب، لوٹ، چوری جھوٹی قسمیں، جوا، کہانت، خیانت وغیرہ ناجائز پیشے یہ سب باطل آمدنیاں ہیں، یعنی نہ تو تم اپنے مال غلط طرح خرچ کرو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے حاصل کر کے استعمال کرو۔

خلاصۂ تفسیر: اے مسلمانو تم آپس میں ایک دوسرے کے مالوں پر ناجائز قبضہ نہ کرو اور انھیں غلط طریقہ سے استعمال میں نہ لاؤ اور اپنے ظلم پر مدد لینے کے لیے جھوٹے مقدمات حاکموں کے پاس اس نیت سے نہ لے جاؤ کہ انھیں کچھ دے دلا کر جھوٹی گواہی قائم کر کے یا غلط ثبوت پہنچا کر اور حکام کو فریب دے کر ان سے غلط فیصلے کر لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھاؤ۔ حالانکہ تم یہ جانتے بھی ہو کہ ہم اس مقدمہ میں جھوٹے ہیں۔ (تفسیر نعیمی)

قرآن کریم میں واضح طور پر فرمایا گیا کہ ہر قسم کے ناجائز طریقے سے مال و دولت کے حصول سے بچو - مگر دور حاضر میں مسلمان اس قدر مال و دولت کے حصول کے خواہاں ہو چکے ہیں، کہ ذرہ برابر بھی حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے - غیب داں نبی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

امام وخطیب رضائے مصطفیٰ مسجد گیورائی، بیڑ، مہاراشٹر hussainmudassir333@gmail.com

"لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ پرواہ نہیں کریں گے کہ مال کہاں سے حاصل کیا"۔ آج کا ماحول دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ زمانہ آچکا ہے۔

روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ طیب ہے اور طیب ہی کو قبول فرماتا ہے، (یعنی رب تعالیٰ بے عیب ہے، اور بے عیب صدقات اور نقصانات سے خالی عبادات کو قبول فرماتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس چیز کا حکم دیا جس کا انبیاے کرام علیہم السلام کو حکم دیا، (یعنی کسب حلال وطلب معاش ایسا مبارک مشغلہ ہے جس میں رب تعالیٰ نے انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عوام کو جمع فرمادیا ہے - لہٰذا یہ فرض خداوندی بھی ہے سنتِ مصطفوی بھی اور سنتِ انبیا بھی، اس لیے کسبِ حلال سنت سمجھ کر کرنا چاہیے، اس میں دنیا کی عزت بھی ہے آخرت کی سرخروئی بھی)۔

فرمایا اے نبیو! طیب اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو، (تو میثاق کے دن رب تعالیٰ نے نبیوں سے یہ خطاب بیک وقت فرمایا تھا یا ہر نبی سے، ان کے زمانہ میں یہ خطاب ہوا جو قرآن کریم میں نقل فرمایا گیا اور حضور انور کو سنایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رہبانیت اور ترک دنیا نہ اسلام میں ہے نہ پہلے کسی نبی کے دین میں تھی، چنانچہ انبیاے کرام نے مختلف پیشے اختیار کیے۔

رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: اے ایمان والو ہماری دی ہوئی طیب ولذیذ روزی کھاؤ، (طیب خبیث کی ضد ہے، حلال، پاک، لطیف، پسندیدہ شرعی چیز طیب ہے، اللہ تعالیٰ طیب ہے کہ خبیث چیزیں ناپسند کرتا ہے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ظاہری وباطنی نجاست سے دور رہیں نیک اعمال کریں، چیزیں انسان کے لیے ہیں اور انسان رحمٰن کے لیے)۔ پھر ذکر فرمایا کہ آدمی پراگندہ گرد آلود بال لمبے لمبے سفر کرتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے اے رب اے رب اور اس کا کھانا حرام اور پینا حرام لباس حرام اور حرام کی ہی غذا پاتا ہے، (یعنی بچپن سے ہی حرام میں پلا اور جوان ہو کر حرام کمائی ہی کی، جس سے غذا لباس حرام کا رہا) تو ان وجوہ سے دعا کیسے قبول ہو، (یہاں روے سخن یا حرام خور حاجی غازی کی طرف ہے یعنی حرام کمائی سے حج یا غزوہ کرنے گیا، پراگندہ بال، پریشان حال رہا، کعبہ معظمہ یا میدان جہاد میں دعائیں مانگیں مگر قبول نہ ہوئیں کہ روزی حرام تھی جب ایسے حاجی وغازی کی دعا بھی قبول نہیں تو دوسروں کا کیا کہنا۔

صوفیا فرماتے ہیں، کہ دعا کے دو بازو یعنی پر ہیں اکل حلال، صدق مقال، اگر ان سے دعا خالی ہو تو قبول نہیں ہوتی، تقویٰ کی پہلی سیڑھی حلال روزی ہے، حرام سے بچنا عوام کا تقویٰ ہے، شبہات سے بچنا خواص کا تقویٰ، ذریعہ معصیت سے بچنا صدیقین کا تقویٰ۔ (مرآۃ المناجیح)

اللہ اکبر! مندرجہ بالا حدیث شریف میں مال حرام کی کس قدر سخت وعید بیان کی گئی ہے - پتہ نہیں اکل حرام کے عادی محنت ومشقت کر کے جائز طریقے سے کمائی کر کے اپنی اور اہل وعیال کی پرورش کیوں نہیں کرتے؟ کہ جس میں رضائے الٰہی بھی حاصل ہو اور دونوں جہان کی فلاح وکامرانی بھی میسر ہو۔

حضرت حکیم الامت کی دور اندیشی کو سلام کہ آپ نے تحریر فرمایا کہ "انبیاے کرام نے مختلف پیشے اختیار کیے، کسی نے چندوں یا سوال پر زندگی نہ گزاری"۔ افسوس کہ آج اہل علم کا ایک طبقہ (اہل خلوص اس جملے سے مستثنیٰ ہیں) دارالعلوم کے نام پر جس طرح سے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے، وہ قابل مذمت ہے۔ (معاذاللہ) ایسا لگتا ہے کہ ان کے دلوں میں خشیتِ الٰہی ذرہ برابر نہیں۔ اب ایسے اہل علم کو کس نام سے موسوم کیا جائے یہ فیصلہ باذوق قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ ہاں مگر ایسوں کو سورہ الزلزال کی آخری دونوں آیتیں ضرور یاد رکھنی چاہئیں۔

■■■

انوار حیات

علامہ خادم حسین رضوی

اُمتِ مسلمہ کے لیے بہترین نمونۂ عمل

محمد طارق اطہر حسین

خادم حسین رضوی کی شخصیت:

خادم حسین رضوی کی شخصیت ایک صاف ستھری، پُرعزم اور مضبوط رہنما کی تھی۔ وہ عوام کے درمیان ایک سادہ اور مخلص شخصیت کے طور پر جانے جاتے تھے۔ ان کی زبان میں جو سادگی تھی، وہ لوگوں کے دلوں کو چھو جاتی تھی۔ ان کی تقاریر میں جو جوش اور جذبہ تھا، وہ لوگوں میں ایک نیا حوصلہ اور جذبہ پیدا کرتا تھا۔ ان کی باتوں میں ایک خاص اثر تھا جو لوگوں کو اپنی فکر کی طرف راغب کرتا تھا۔ آپ کی شخصیت میں نرم دلی اور سخت عقیدہ کا حسین امتزاج تھا۔ وہ کسی بھی قسم کے مذہبی یا قومی مسائل پر اپنی رائے دینے میں بالکل واضح اور بے خوف تھے۔ ان کی ہر بات میں اسلام کی محبت اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی جدوجہد کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

دینی خدمات:

آپ ایک مشہور و معروف عالم دین، محدث، اور سیاسی رہنما تھے جنھوں نے اپنی زندگی کو اسلام کے عظیم اصولوں کی ترویج اور دفاع کے لیے وقف کر دیا تھا خادم حسین رضوی 22 جون 1966 کو صوبہ پنجاب کے شہر اٹک میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حافظ محمد حسین تھا، جو ایک معروف عالم دین تھے اور ان کے گھر میں دینی تعلیم کا ماحول تھا۔ خادم حسین رضوی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسے سے حاصل کی اور پھر آپ چار سال پڑھنے کے بعد حفظِ قرآن کی طرف مائل ہوئے اور آپ نے آٹھ برس کی عمر میں حفظِ قرآن ضلع جہلم سے مکمل کیا۔

پھر مختلف دینی مدارس میں تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے اپنے وقت کے بڑے علما سے تعلیم حاصل کی اور اپنے علم میں اضافہ کیا۔ انھیں پڑھنے لکھنے کا شوق بچپن سے ہی تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر میں سب لوگ تعلیم یافتہ اور سنتِ نبوی پر عمل کرنے والے تھے، حفظِ قرآن مکمل ہونے کے بعد آپ نے 1979 میں قراءت کورس کے سلسلے میں مدرسہ جامعہ رضویہ احسن القرآن میں داخلہ لیا اور آپ نے وہاں سے قاری کا خطاب حاصل کیا۔ آپ نے تقریباً پندرہ سال کی زندگی میں حافظ، عالم اور قاری کی مکمل تعلیم حاصل کی۔

درس و تدریس:

آپ نے اپنی تعلیم کا سلسلہ مکمل ہونے کے بعد 1990 میں جامعہ نظامیہ رضویہ میں علمِ صرف کا درس دینا شروع کیا اور آپ نے اس مدرسے میں تقریباً 25 سال تک درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا۔ ان پچیس سالہ زندگی میں آپ نے 1000 سے زائد طلبہ کو عربی گرامر، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ اور شرح الہدایہ جیسی کتابوں کا درس دیا۔ اس کے علاوہ، آپ نے 16 سالہ زندگی میں حدیث کی تعلیم بھی دی اور تقریباً 1500 سے زائد طلبہ کو حدیث کی تعلیم دی اور شیخ الحدیث کا خطاب بھی حاصل کیا۔

دین مطہرہ کا دفاع:

آپ ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کے دفاع اور اسلام کی صحیح تعلیمات کی ترویج کے لیے سرگرم رہے۔ ان کی زندگی کا مقصد لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا اور ان کے اندر اسلامی شعور پیدا کرنا تھا۔

خادم حسین رضوی نے مختلف مذہبی اور سیاسی مسائل پر ہمیشہ اسلام کے موقف کی وضاحت کی۔ انھوں نے متعدّد مواقع پر اسلام کے تمام شعبوں میں مسلمانوں کو صحیح راہ پر چلنے کی دعوت دی۔ ان کی تبلیغ کا اہم مقصد مسلمانوں میں اسلامی شعور پیدا کرنا اور انھیں اپنی شناخت کے بارے میں آگاہی فراہم کرنا تھا۔

تحفظِ ختم نبوت:

خادم حسین رضوی کی سب سے اہم اور مشہور جدوجہد وہ تحریک تھی جو انھوں نے ختم نبوت کے قانون کی حمایت میں شروع کی۔ 2017 میں ایک وفاقی وزیر کے بیان کے بعد پاکستان میں ختم نبوت کے قانون کے حوالے سے شدید بحث چھڑ گئی۔ خادم حسین رضوی نے اس معاملے میں کھل کر اپنا موقف پیش کیا اور پورے پاکستان میں ختم نبوت کے قانون کی حمایت میں احتجاجی مظاہرے کیے۔

انھوں نے اس تحریک کو "تحفظ ختم نبوت تحریک" کا نام دیا، اس میں لاکھوں افراد نے شرکت کی۔ ان کے اس احتجاج کے نتیجے میں حکومت کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنی پڑی اور ختم نبوت کے قانون میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کے امکانات ختم ہوگئے۔ خادم حسین رضوی کی قیادت میں ہونے والی اس تحریک نے نہ صرف پاکستان میں بلکہ پوری دنیا میں ختم نبوت کے قانون کی اہمیت اور اس کے تحفظ کی ضرورت کو اجاگر کیا۔

سیاسی اور سماجی خدمات:

خادم حسین رضوی کی سیاسی خدمات بھی نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے 2015 میں "تحریک لبیک یا رسول اللہ" (TLYR) نامی سیاسی جماعت قائم کی، جو اسلام کے بنیادی اصولوں کی حمایت اور ان کے نفاذ کے لیے کام کر رہی تھی۔ اس جماعت نے خاص طور پر ختم نبوت، اسلام کی تعلیمات، اور پاکستان میں شریعت کے نفاذ کے لیے کام کیا۔

"تحریک لبیک یا رسول اللہ" نے نہ صرف اسلام کے حوالے سے بلکہ مسلمانوں کے حقوق کے دفاع کے لیے بھی آواز اٹھائی۔ اس جماعت نے پاکستان کی سیاست میں ایک نیا رنگ ڈالا اور عوام کے دلوں میں ایک نئی امید پیدا کی۔ ان کی سیاست کا بنیادی مقصد اسلام کے اصولوں کو ملکی قوانین میں شامل کرنا اور مسلمانوں کے مذہبی حقوق کا تحفظ تھا۔

زبانوں کی مہارت:

آپ کی مادری زبان پنجابی تھی، تاہم انھیں وطن عزیز کی قومی زبان اُردو کے علاوہ عربی اور فارسی پر بھی مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ ان کی جوش اور ولولے سے بھرپور تقاریر ان چاروں زبانوں کے حسین امتزاج پر مشتمل ہوا کرتیں، آپ جہاں پنجابی زبان میں اپنے منفرد اور جلالی انداز میں عظمت اسلام کا ذکر کرتے، وہیں اپنے موقف کی تائید میں آیات قرآنیہ اور عربی احادیث بھی پڑھ کر سنایا کرتے، اور ساتھ ہی ساتھ امام بوصیری، شیخ سعدی، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت بریلوی، قلندر لاہوری اور ڈاکٹر اقبال وغیرہ کے عربی، فارسی اور اردو اشعار کے ذریعے، ایک سماں باندھ دیا کرتے، اور اپنے سامعین کے جوش و جذبے میں کڑکتی بجلیاں بھر دیتے، اور ان کے لہو قدر گرما دیا کرتے تھے۔

وفات:

آپ 19 نومبر 2020 کو اس دنیائے فانی سے پردہ فرما گئے۔ عاشقِ رسول حضرت امام احمد رضا خان کے دیوانوں کے لیے یہ دن بہت ہی الم ناک اور غم کا دن تھا، کیوں کہ اس دن ایک نور سے منور ستارہ اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔ آپ کی خدمات و تعلیمات آج بھی ہم عاشقانِ رسول کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان شاءاللہ قیامت تک رہیں گی۔

خادم حسین رضوی کی شخصیت اور ان کی خدمات ہمیشہ اہل سنت و جماعت کے لیے روشن رہنما کی حیثیت رکھیں گی۔

-*-*-*-*-

ذکر جمیل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مفتی محمد اعظم مبارک پوری

نام اور خاندان: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ اپنی کنیت ابوہریرہ سے اس قدر مشہور و معروف ہوئے کہ اس نے نام کی حیثیت حاصل کر لی، آپ کا نام اسلام سے پہلے عبد شمس تھا۔

عبد شمس نام چوں کہ اسلام کے نظریۂ توحید اور اس کے مزاج کے ساتھ ہم آہنگ نہیں تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام تبدیل کر کے عبداللہ یا عبدالرحمن رکھ دیا۔

حضرت ابوہریرہ کی کنیت ابوہریرہ کس طرح پڑی؟ اس سلسلہ میں بھی دو قول ہے، ایک تو یہ کہ وہ اپنے گھر کی بکریاں چرایا کرتے تھے، واپسی میں بلی کا بچہ ملا، جسے وہ اپنی آستین میں چھپا کر لے آئے، لوگوں نے جب بلی کے بچہ کی آواز سنی، تو پوچھا یہ کیا ہے؟ آپ نے بتایا کہ یہ بلی کا بچہ ہے، جو مجھے راستہ میں ملا، اس پر ان لوگوں نے کہا کہ تم ابوہریرہ یعنی بلی کے باپ ہو اور پھر وہ اس کنیت سے مشہور ہو گئے۔

ابتدائی حالات: آپ کے اسلام سے قبل کے حالات نہیں ملتے، البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ کا خاندان اپنے قبیلہ میں ممتاز اور باحیثیت تھا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے چچا سعد بن ابی ذباب کو قبیلہ دوس کا امیر مقرر کیا تھا اور حضور کا طریقہ تھا کہ آپ کسی قبیلہ کا امیر ایسے شخص کو متعیّن کرتے تھے، جو جاہلیت میں بھی ان کا امیر رہ چکا ہو یا کم از کم اپنے قبیلہ کا باحیثیت آدمی ہو۔

آپ کے والد کا انتقال چوں کہ بچپن میں ہی ہو چکا تھا، اس وجہ سے آپ کی نشو و نما بحیثیت یتیم کے ہوئی، پھر بھی آپ کی مالی حیثیت متوسط ضرور تھی، اس لیے کہ آپ ذاتی طور پر ایک غلام کے بھی مالک تھے، جو مدینہ آتے ہوئے آپ کے ساتھ تھا، لیکن راستہ میں بچھڑ گیا تھا، خیبر میں جب آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اس وقت وہ آپ کو ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا، لیکن آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی خوشی میں اسے اس وقت آزاد کر دیا۔

دربار رسالت میں حاضری: سات ہجری میں حضرت طفیل ستر یا اسّی گھرانوں پر مشتمل مسلمانوں کے ایک وفد کو لے کر مدینہ آئے، حضرت ابوہریرہ یمن سے ہجرت کرنے والے مہاجرین کے اس قافلہ میں شامل تھے، جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر میں مصروف تھے، حضرت ابوہریرہ کے شوق کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے مدینہ میں ٹھہر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار گوارا نہ کیا اور اپنے چند ہم خیالوں کے ساتھ خیبر روانہ ہو گئے، جب آپ خیبر پہنچے، اس وقت تک معرکہ سر ہو چکا تھا، خیبر پہنچ کر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، ایک روایت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں ان کا حصہ بھی لگایا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد آپ مسلسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تعلق:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجہ کی محبت تھی، جس کا اظہار انھوں نے ان الفاظ میں کیا:

"یا رسول اللہ! مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا اچھا

لگتا ہے اور اس سے میری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔"

اسی طرح ایک مسجد کی تعمیر کے موقع سے جس میں کہ عام مسلمانوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گارا اُٹھا کر لا رہے تھے، حضرت ابوہریرہ نے محسوس کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مشکل ہو رہا ہے، تو آپ فوراً آگے بڑھے اور عرض کیا کہ اس کے اُٹھانے میں ہمیں بھی شامل کر لیں، اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دوسرا لے لو اے ابوہریرہ! اس لیے کہ راحت تو بس آخرت میں ہے۔"

عشقِ رسول ہی تھا جس کے سبب حضرت ابوہریرہ نے خیبر سے واپسی کے بعد مدینہ میں صفہ میں قیام فرمایا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت میں رہ سکیں، اس طرح حضرت ابوہریرہ تقریباً چار سال تک سفر و حضر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ کو اہل صفہ کا عریف مقرر فرمایا تھا۔

حضرت ابوہریرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف مسجد اور صفہ تک ہی نہیں رہتے، بلکہ وہ ہمہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، بازار جانے، کسی مریض مریض کی عیادت کو تشریف لے جانے، باغوں میں جانے اور دیگر اسفار میں تو وہ مسلسل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے۔

فرمانِ رسول سے دلچسپی:

حضرت ابوہریرہ نے صفہ میں بڑی سخت زندگی گذاری، اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ حدیث رسول کو محفوظ کریں، حضرت ابوہریرہ، خود بیان کرتے ہیں کہ اس عرصہ میں جس میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، مجھے اس کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں اسے ذہن نشیں کر لوں۔

ایک بار جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، حضوع صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ سے پوچھا: کیا تم اس مال غنیمت میں سے کچھ نہ مانگو گے؟ حضرت ابوہریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری درخواست بس اتنی ہے کہ آپ مجھے وہ چیزیں سکھا دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی ہیں۔

فرمانِ رسول کو یاد رکھنے کی کوشش:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلچسپی صرف سننے کی حد تک نہیں تھی، بلکہ وہ اسے یاد رکھنے کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے۔ امام بخاری نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ نے باضابطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت کچھ سنتا ہوں لیکن بھول جاتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ، میں نے پھیلائی، تو فرمایا اسے اپنے سینے سے لگاؤ، میں نے ایسا کیا تو اس کے بعد کوئی حدیث نہ بھولا۔

آخری ایام: دور بنوامیہ میں حضرت ابوہریرہ کی حیثیت مدینہ میں مرجع عام کی ہوگئی تھی، لوگ دور دراز سے آپ کے پاس استفادہ کے لیے آیا کرتے تھے، یہ غیر معمولی قدر و منزلت صرف عوام و خواص میں ہی نہیں بلکہ ایوانِ اقتدار میں بھی تھی، اس کے باوجود مستقبل میں رونما ہونے والے فتنوں کے بارے میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سن رکھا تھا اس کی وجہ سے آپ خاص طور سے ساٹھ کی دہائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے تھے، اس لیے کہ فتنوں کا آغاز وہیں سے ہونا تھا، چنانچہ فرماتے ہیں:

"عرب اس شر سے برباد ہو جائیں جو ان کے بہت ہی قریب آچکا ہے، فتنے اندھیری راتوں کی طرح ہوں گے، ایک شخص صبح میں مؤمن ہو گا تو شام میں کافر ہو گا، تھوڑے سے دنیاوی مفاد کے خاطر لوگ اپنا دین و ایمان سب کچھ بیچ دیں گے"۔ "اے اللہ مجھے ساٹھ کی دہائی سے بچانا۔"

اللہ تعالیٰ نے آپ کی آرزو پوری کی اور فتنوں کی ان

گھڑیوں کے آنے سے پہلے ہی آپ کو اپنے پاس بلا لیا، جب آپ کا آخری وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے گھر والوں کو قریب بلایا اور یہ وصیتیں کیں:

میرے مرنے کے بعد مجھ پر ماتم نہ کرنا، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

میری تدفین میں جلدی کرنا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا ہے، آپ نے فرمایا: نیک میت کو جب تخت پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے مجھے جلد منزل تک پہنچا دو، جب کہ گنہگار میت کو جب تخت پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے تیرے لیے تباہی، مجھے کہاں لے جاتا ہے۔

ان وصیتوں کے بعد آپ رونے لگے، لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا: میں دنیا کی جدائی پر نہیں روتا ہوں بلکہ اس بات پر روتا ہوں کہ در پیش سفر طویل ہے، جب کہ اس کے لیے زاد راہ بہت ہی قلیل ہے، پتہ نہیں میری منزل کونسی ہے، جنت یا جہنم۔

آپ کے سن وفات سے متعلق کافی اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ آپ کی وفات ۵۷ ہجری میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی۔ آپ کی وفات آپ کے اس مکان میں ہوئی جو العقیق میں تھا، یہ مدینہ کے قریب ایک وادی تھی، چنانچہ وہاں سے آپ کو مدینہ لایا گیا، جنازے کی نماز گورنر مدینہ ولید بن عتبہ بن سفیان نے پڑھائی، جنازہ میں ابو سعید الخدری، عبداللہ بن عمر اور سابق گورنر مدینہ مروان بن الحکم شامل تھے، حضرت عثمان غنی کے صاحب زادے آپ کے جنازہ کو اٹھا کر اس جگہ پر لائے جہاں آپ کی تدفین ہوئی۔

حضرت عبد اللہ بن عمر آپ کی وفات سے کافی دل برداشتہ تھے اور ابو ہریرہ کے بارے میں بار بار کہتے تھے کہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لوگوں تک پہنچائی۔

اہل و عیال: مدینہ آنے کے بعد ابو ہریرہ نے صفہ میں قیام کیا اور اپنا زیادہ تر وقت رسول اللہ کی خدمت میں گزارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمہ وقت حاضر رہنے کی وجہ سے آپ معاشی سرگرمیوں سے دور رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کا وقت دین وملت کی خدمت میں گذرا، جس میں بحرین کی امارت سے لے کر آرمینہ اور جرجان تک کی مہمات شامل ہیں، البتہ دور عثمانی میں آپ کو کسی قدر فراغت نصیب ہوئی، اس طرح کہ مدینہ کو آپ نے مستقل ٹھکانہ بنایا اور وہیں رہ کر دعوت و ارشاد اور حدیث کی نشر و اشاعت میں مصروف رہے، اس زمانہ میں حضرت عثمان غنی کی کوششوں سے بسرہ بنت غزوان المازنیہ سے آپ کی شادی ہوئی، جو کہ خود صحابیہ ہونے کے علاوہ مشہور بدری صحابی عتبہ بن غزوان المازنی کی بہن تھیں، جو عرصہ تک بصرہ کے گورنر رہے، ان کا انتقال عہد فاروقی میں ہوا، ان کی ایک اور بہن فاختہ بنت غزوان عثمان غنی لے کے نکاح میں تھیں، اس طرح آپ کو حضرت عثمان غنی لے کے ہم زلف ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

یہ شادی ہر طرح مبارک ثابت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد صالح سے بھی نوازا، چنانچہ آپ کے چار لڑکے محرر، محرز، عبدالرحمن اور بلال تھے اور ایک لڑکی ام حبیبہ تھی، جن کی شادی مشہور تابعی سعید بن مسیب سے ہوئی۔

بے نظیر قوت حفظ: حضرت ابو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو قدرت کی جانب سے عطا ہونے والی اس نعمت کا بھر پور احساس تھا، چنانچہ وہ تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں کہ: میں اصحاب رسول میں کسی کو نہیں جانتا جسے مجھ سے زیادہ حضور کی حدیثیں یاد ہوں۔

شوق جہاد: غزوہ خیبر کے موقع سے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت سے لے کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کوئی ایسی مہم نہیں ہے جس میں آپ حضور کے ساتھ نہ رہے ہوں، چنانچہ صلح حدیبیہ کا موقع ہویا عمرۃ القضا کا، فتح مکہ کی مہم ہو یا حنین کا معرکہ، طائف کا محاصرہ ہویا تبوک کا، آپ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے، بلکہ ان مواقع پر پیش آنے والے واقعات وحالات کے امین و محافظ بھی رہے، جو آپ کے ذریعہ سے ہی امت تک پہنچے، آپ کا یہ جذبۂ جہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی سرد نہیں پڑا، بلکہ یہ سلسلہ چلتا رہا، چنانچہ آپ نے جنگ موتہ غزوۂ یرموک، آرمینیہ، جرجان اور قزوین کی مہمات میں بھی شرکت کی۔

ذکر و استغفار اور خشیت الٰہی: آپ عبادت سے غیر معمولی شغف رکھنے کے ساتھ ساتھ کثرت سے ذکر و استغفار کیا کرتے تھے، چنانچہ خالد الحذا بیان کرتے ہیں کہ ابوہریرہ کا معمول تھا کہ وہ روزانہ بارہ ہزار مرتبہ توبہ استغفار کیا کرتے تھے۔

آپ کی خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ آپ ہمیشہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں کسی معصیت میں نہ پڑ جائیں، ایک مرتبہ آپ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں ایک جوان آدمی ہوں اور اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں گناہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں، میرے پاس اتنے وسائل بھی نہیں ہیں کہ شادی کا متحمل ہو سکوں، تو کیا میں نس بندی کرا سکتا ہوں؟

رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوال کو نظر انداز کر دیا، لیکن جب آپ نے تین بار یہی سوال پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ! جو کچھ بھی تمھیں پیش آنے والا ہے وہ سب لکھا جا چکا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

مہمان نوازی: ابونصرہ العبدی نے طفاوی سے نقل کیا ہے کہ وہ چھ مہینہ تک مدینہ میں ابوہریرہ کے مہمان رہے، ان کا کہنا ہے کہ ابوہریرہ کے جیسا مہمان نواز اور خاطر تواضع کرنے والا آپ نے کسی کو نہیں پایا۔ ■■■

(ص:28 کا بقیہ)... 12 فروری کو اردن کے شاہ عبداللہ ثانی وہائٹ ہاؤس پہنچے اور کہا کہ وہ غزہ کے ان دو ہزار بیمار بچوں کا علاج کرائیں گے جنہیں سخت قسم کی موذی بیماریاں لاحق ہوگئی ہیں۔ اس موقع پر ٹرمپ بار بار وہی کہتے رہے کہ اردن اور مصر اہل غزہ کو اپنے یہاں بسائیں گے لیکن شاہ عبداللہ نے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا، بلکہ یہی کہتے رہے کہ ہم تمام عرب ممالک آپس میں گفتگو کر کے صدر ٹرمپ کے ساتھ بات کریں گے۔

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ مصر کے صدر عبدالفتاح السیسی نے خلاف توقع اعلان کر دیا کہ اگر ایجنڈہ پر غزہ کو اجاڑنے کا منصوبہ ہوگا تو وہ وہائٹ ہاؤس کا دورہ ہی نہیں کریں گے۔ ان کا یہ موقف اور اس کا برملا اعلان اس لیے حیرت انگیز ہے کہ امریکہ نے دنیا بھر کی مدد کرنے والی اسکیم کو ختم کرتے وقت صرف دو ملکوں اسرائیل اور مصر کی مدد جاری رکھنے کا اعلان کیا تھا۔ سمجھا جا رہا تھا کہ یہ دراصل مصر کو ٹرمپ کے موقف کی تائید کرنے کے لیے دیا گیا لالچ ہے۔ حالاں کہ مختلف مبصرین کہہ رہے ہیں کہ اردن کے شاہ عبداللہ اور مصر کے صدر عبدالفتاح السیسی کے بارے میں ابھی یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کے باوجود یہ تو کھلی حقیقت ہے کہ اردن اور مصر میں پہلے ہی لاکھوں فلسطینی پناہ لیے ہوئے ہیں اور اب ان کے یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امریکہ نے سعودی عرب کا بھی نام لے کر کہا ہے کہ وہ غزہ سے اجڑے ہوئے فلسطینیوں کو اپنے یہاں بسائے گا لیکن سعودی حکام نے بھی اس کی سختی سے مذمت کی ہے اور خود ٹرمپ سے ہی مطالبہ کر دیا ہے کہ اہل غزہ کو وہ ہی امریکہ کے الاسکا میں آباد کر دے۔ بہر حال حماس کتنی ہی کمزور ہو اس نے یہ تو ثابت کر دیا ہے کہ سرزمین فلسطین پر طاقت کے بل پر کوئی بھی قابض ہو جائے لیکن اہل فلسطین کسی بھی طاقت کے سامنے جھکیں گے نہیں۔ آخر طاقت ور دشمن سے کم زور مظلوم تو جنگیں تو اسی طرح لڑتے ہیں۔ ان کے پاس ایمان و یقین ہی سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے اور اس وقت روئے زمین پر اہل فلسطین سے زیادہ مضبوط ایمان و یقین کس کے پاس ہوگا؟ ■■

آئینۂ عالم

غزہ میں ٹرمپ کی پہلی شکست

ودود ساجد

تباہ شدہ غزہ میں دنیا کے سب سے طاقتور صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی پہلی شکست ہوگئی ہے۔ حماس کے عسکری ونگ کتائب القسام اور دوسرے عسکری گروپ سرایا القدس نے اسرائیلی یرغمالوں کی مزید رہائی کو موخر کرنے کی دھمکی دینے کے پانچ دن بعد اسرائیل کے تین یرغمالوں کو رہا کر دیا۔ حالاں کہ 11 فروری 2025 کو امریکی صدر ٹرمپ نے دھمکی دی تھی کہ اگر 15 فروری کو دن کے 12 بجے تک حماس نے بقیہ تمام یرغمالوں کو ایک ساتھ رہا نہ کیا تو میں ان پر جہنم کے دروازے کھول دوں گا۔ ٹرمپ نے اسرائیل سے بھی کہا تھا کہ وہ جنگ بندی کا معاہدہ ختم کر دے اور حملے شروع کر دے۔ لیکن حماس نے کہہ دیا کہ ہمارے نزدیک اس دھمکی کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ حماس نے رہائی کو موخر کرنے کی اپنی دھمکی بھی تبھی واپس لی جب نتن یاہو نے امدادی ٹرکوں کے قافلوں کو غزہ میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ حماس نے یہی کہہ کر مزید رہائی کو موخر کر دیا تھا کہ اسرائیل رہائی کے معاہدہ اور جنگ بندی کی شرائط کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور امدادی سامان لانے والے ٹرکوں کو غزہ میں داخل ہونے سے روک رہا ہے۔ آخر کار 13 فروری کو نہ صرف امدادی ٹرک غزہ میں داخل ہونے شروع ہو گئے بلکہ ملبہ کو صاف کرنے کے لیے بھاری مشینوں اور تعمیراتی سامان لانے والے ٹرکوں کو بھی آنے کی اجازت دے دی گئی۔

اسرائیل پر شرائط کی خلاف ورزی کا الزام محض حماس نے ہی نہیں لگایا تھا۔ نیویارک ٹائمز نے اسرائیل اور ثالث ملکوں کے حوالہ سے لکھا کہ حماس کا یہ الزام درست ہے کہ اسرائیل معاہدہ کی پابندی نہیں کر رہا ہے اور معاہدہ میں کیے گئے وعدوں کو توڑ رہا ہے۔ اقوام متحدہ نے بھی اسرائیل پر زور دیا کہ وہ معاہدہ کی تمام شقوں پر سنجیدگی کے ساتھ عمل کرے اور مستقل جنگ بندی کی طرف بڑھے۔ نتن یاہو امریکہ کے دورے پر پہنچے اور اس دوران جنگ بندی کے دوسرے مرحلہ کے لیے مذاکرات کا عمل بھی روک دیا۔ اسرائیل کے اندر عوام میں بھی بے چینی پھیلی اور انھوں نے اپنی حکومت پر زور دیا کہ وہ معاہدہ پر نہ صرف عمل کرے بلکہ مستقل جنگ بندی پر بھی فوراً آمادگی کرے۔ اسرائیلی چینل 13 کے مطابق ایک یرغمال کی ماں نے کہا کہ رہائی میں تاخیر کا سبب حماس نہیں بلکہ اسرائیلی حکومت کا رویہ ہے۔ یرغمالوں کے اہل خانہ کے ساتھ ہزاروں اسرائیلیوں نے ایک سے زائد بار نتن یاہو کے گھر اور دفتر کے باہر مظاہرے کیے۔ آخر کار نتن یاہو کو جھکنا پڑا اور امدادی ٹرکوں کے قافلوں کو آنے کی کے اجازت دے دی۔ آج (15) فروری کو تین اسرائیلی یرغمالوں کو رہا کرنے کے بعد حماس نے واضح کر دیا کہ اب باقی یرغمالوں کو اسی وقت رہا کیا جائے گا جب اسرائیل جنگ بندی کے تمام نکات پر عمل آوری کو یقینی بنائے گا۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ حماس کو ”ٹرمپ کے جہنم“ سے بھی کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔

آج تین اسرائیلی یرغمالوں کی رہائی کا منظر بھی پچھلے تمام پانچ مرحلوں سے مختلف اور انوکھا تھا، ایک بڑا اسٹیج لگایا گیا تھا، اس پر پیچھے کی طرف ایک بڑی اسکرین لگائی گئی تھی جس پر ایسے مناظر چل رہے تھے جن میں مسجد اقصیٰ اور اس کے ارد گرد جاں بازوں کو دکھایا گیا تھا۔ آج سیکڑوں کی تعداد میں مختلف لباس اور یونیفارم والے جاں باز بھی تھے۔ ان سب کے پاس نئی قسم کے ہتھیار بھی تھے۔ الجزیرہ نے حماس کے حوالہ سے بتایا کہ اکثر ہتھیار وہ تھے جو سات اکتوبر ۲۰۲۳ء کو حماس نے اسرائیل کے

فورسز سے چھینے تھے۔ ایک کلیدی بینر پر عربی میں یہ نعرہ لکھا تھا ”نحن الجنود یا قدس فاشهدی “یعنی اے یروشلم تو گواہ رہنا ہم تیرے فوجی ہیں۔ رہائی یحییٰ سنوار کے مکان کے قریب خان یونس میں عمل میں آئی ، رہا ہونے والوں میں ایک اسرائیلی یرغمال ایسا بھی تھا جس کے پکڑے جانے کے چار ماہ بعد اس کی بیوی کے یہاں ایک بچی کی ولادت ہوئی تھی۔ لہذا حماس نے اس کی بیٹی کے لیے سونے کا ایک ٹکڑا بھی تحفہ میں دیا۔

خان یونس کے اس تباہ شدہ علاقہ میں درجنوں کیمرے نصب تھے۔ بڑے بڑے لاؤڈ اسپیکرس پر عربی نغمے چل رہے تھے۔ ایک نغمہ اس طرح کا بھی تھا۔ ”صہیونیو! مرتے دم تک تمھارے ہاتھ پر بیعت نہیں کریں گے“۔ کیمرہ بردار ڈرون بھی چکر لگا رہا تھا۔ جن تین یرغمالوں کو آج رہا کیا گیا ان سب نے مائک پر اپنے ردعمل کا بھی اظہار کیا۔ ان میں سے ایک نے اپنی حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ باقی یرغمالوں کی رہائی کا بھی جلد انتظام کرنا ہوگا ورنہ وقت ہاتھ سے نکل جائے گا۔ تینوں نے اپنے اغوا کاروں اور محافظوں کی ستائش بھی کی اور کہا کہ جب چاروں طرف بمباری ہو رہی تھی تو انھوں نے نہ صرف ہماری حفاظت کی بلکہ ہمارے کھانے پینے کپڑوں اور دوا کا بھی انتظام کیا۔ ادھر اسرائیل کے تل ابیب میں بھی باقاعدہ دن گھنٹے منٹ اور لمحے گنے جا رہے ہیں۔ آج 497واں دن تھا۔ تین یرغمالوں کی رہائی کے منظر کو دیکھنے کے لیے ہزاروں اسرائیلی شہری تل ابیب کے وسط میں جمع ہوئے تھے نتن یاہو کے سخت ردعمل اور دھمکی کے باوجود حماس نے یرغمالوں کو اسٹیج پر نمایاں طور پر کھڑا کیا اور ان سے مائک پر ان کا ردعمل بھی لیا۔ یہ تینوں بظاہر صحت مند اور خوش و خرم تھے۔ رہائی سے قبل ایک ویڈیو بھی جاری کی گئی جس میں دکھایا گیا تھا کہ حماس کا ایک بندوق بردار عربی میں ٹائپ شدہ ایک رقعہ پڑھ کر ایک یرغمالی کو خوش خبری سنا رہا ہے کہ آج تمھیں رہا کر دیا جائے گا۔

سات اکتوبر 2023 کو حماس نے اسرائیل کے خلاف کارروائی کر کے اسے جو جانی وعسکری نقصان پہنچایا تھا اس کے نتیجہ میں خود اہل غزہ کا اب تک سینکڑوں گنا جانی ومالی نقصان ہو چکا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی جاننے کی ضرورت ہے کہ اس نقصان کے باوجود حماس نے اسرائیل سے جو کرا لیا ہے عام حالات میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مختلف محاذوں بشمول سفارتی، سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور عالمی محاذ پر اسرائیل کو جو سبکی اور ہزیمت اٹھانی پڑی ہے اس کی قیمت کا اندازہ لگانا آسان نہیں ہے۔ یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ 19 جنوری 2025 کو جنگ بندی کے نفاذ کی ابتدا کے وقت حماس کے قبضہ میں100 سے زائد اسرائیلی یرغمال تھے جن میں سے گزشتہ پانچ مرحلوں میں اب تک 21 کو رہا کیا جا چکا ہے۔ ان کے عوض ایک ہزار سے زیادہ فلسطینیوں کو بھی اسرائیل کی جیلوں سے رہا کیا گیا ہے۔ آج کے رہا شدگان کو ملا کر کل 24 اسرائیلی رہا ہو گئے ہیں۔ اس مرحلہ میں صرف 3 اسرائیلی یرغمالوں کو ہی رہا کیا جائے گا جن کے عوض کل دو ہزار فلسطینی رہا ہو جائیں گے۔ آج رہا شدہ تین اسرائیلیوں کے عوض 369 فلسطینی قیدیوں کو رہا کیا گیا۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اسرائیلی جیلوں میں عمر قید کی سزا کاٹ رہے تھے اور وہ بھی ہیں جنھیں اسرائیل نے سات اکتوبر کے حملے میں ملوث ہونے کے شبہ میں گرفتار کیا تھا۔

ادھر 11 فروری کو امریکہ کے وہائٹ ہاؤس میں ٹرمپ اور نتن یاہو کی ملاقات ہوئی اور اس میں ٹرمپ نے پھر وہی راگ الاپا کہ غزہ کو خالی کرا کر اسے ڈویلپ کریں گے اور اجڑے ہوئے فلسطینیوں کو اردن اور مصر میں بسائیں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے اردن اور مصر کے سربراہوں سے بات کر لی ہے۔ نتن یاہو کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوگا کہ ٹرمپ کوئی ایسا منصوبہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔ لہذا اسی سے حوصلہ پا کر نتن یاہو نے فلسطین کے اس مغربی کنارہ میں بھی جارحانہ شرپسندی شروع کر دی جس پر خود اسرائیل کا تصرف ہے۔ 19 جنوری سے اب تک اسرائیل نے مغربی کنارہ میں100 سے زائد فلسطینیوں کو شہید اور دو سو سے زائد کو گرفتار کر لیا ہے۔ ٹرمپ کے احمقانہ منصوبہ کو فلسطین کے تمام گروہوں نے بیک آواز مسترد کر دیا ہے۔ **(باقی، ص:26 پر)**

یاد ماضی

دریائے دجلہ کی تاریخ

جی کے بلوچ

دریائے دجلہ (Tigris River) دنیا کے قدیم ترین دریاؤں میں سے ایک ہے اور انسانی تہذیب کے ابتدائی مراکز میں سے ایک کی بنیاد رہا ہے۔ یہ دریا عراق، ترکی اور شام سے گزرتا ہے اور فرات کے ساتھ مل کر قدیم "بین النہرین" (Mesopotamia) کی تہذیبوں کی آبی گزر گاہ بنا۔ اس دریا کا ذکر کئی تاریخی متون، مذہبی کتابوں اور تہذیبی داستانوں میں ملتا ہے۔

دجلہ کا نام قدیم سامی زبانوں، عربی، فارسی اور ترکی میں مختلف انداز میں ملتا ہے: سومیری زبان میں اسے "Idigna" یا "Idigina" کہا جاتا تھا، جس کا مطلب "تیز بہاؤ والا پانی" ہے۔ یونانی زبان میں اسے "Tigris" کہا جاتا تھا، جو فارسی کے "Tigra" (تیز) سے نکلا ہے اور عربی میں "دجلہ" کہلاتا ہے۔

قدیم تہذیبیں اور دریائے دجلہ:

(1) سمیری تہذیب، 3100 قبل مسیح: دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان زمین کو "بین النہرین" کہا جاتا تھا، جہاں دنیا کی پہلی شہری تہذیبیں ابھریں۔ سمیریوں نے انہی دریاؤں کے کنارے زراعت، تحریر (Cuneiform Script) اور شہروں کی بنیاد رکھی۔ اس تہذیب کے مشہور شہر: اریدو، اُر، اُرک (Uruk)، لاگاش وغیرہ تھے۔

(2) اکادی سلطنت – (Akkadian Empire)

2334 قبل مسیح: شاہ سرگون اکاد نے دجلہ و فرات کے کنارے پہلی بڑی سلطنت قائم کی۔ اکادی تہذیب نے سمیری ثقافت کو اپنایا اور تحریری زبان کو فروغ دیا۔

(3) بابل اور آشوریہ – (Babylon & Assyria)

1900-500 قبل مسیح: بابل اور نینوئ جیسے تاریخی شہر اسی دریا کے کنارے آباد تھے۔ حمورابی (Hammurabi) نے 18ویں صدی قبل مسیح میں مشہور "قانون حمورابی" بنایا، جو دنیا کے قدیم ترین قوانین میں شامل ہے۔ آشوری سلطنت نے نینوئ کو اپنا دارالحکومت بنایا، جو دجلہ کے کنارے واقع تھا۔

(4) ایرانی اور یونانی ادوار – 550-330 قبل مسیح: ہخامنشی سلطنت (Achaemenid Empire) نے بابل اور دجلہ کے کنارے موجود دیگر علاقوں پر قبضہ کیا۔ سکندرِ اعظم نے 331 قبل مسیح میں دریائے دجلہ کے قریب ایرانی بادشاہ دارا سوم (Darius III) کو شکست دی۔

اسلامی تاریخ میں دریائے دجلہ:

(1) عباسی خلافت – (Abbasid Caliphate)

750-1258ء: بغداد، جو دریائے دجلہ کے کنارے آباد ہوا، 762ء میں عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے بطور دارالحکومت تعمیر کیا۔ اس دور میں بغداد سائنسی، فلسفیانہ اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ دارالحکمت (House of Wisdom) اسی شہر میں قائم کیا گیا، جہاں یونانی، فارسی اور ہندی علوم کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔

(2) منگول حملہ – 1258ء: چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور دریائے دجلہ میں بے شمار کتابیں پھینکی گئیں، جن سے پانی کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ عباسی خلافت کا زوال اسی حملے کے نتیجے میں ہوا۔

جدید دور میں دریائے دجلہ:

(1) سلطنت عثمانیہ اور نوآبادیاتی دور: 16ویں صدی میں عثمانیوں نے عراق پر قبضہ کیا، اور دریائے دجلہ کی گزر گاہوں کو

تجارت اور نقل و حمل کے لیے استعمال کیا۔1918ء میں برطانوی فوج نے عثمانیوں کو شکست دے کر عراق پر قبضہ کر لیا۔

(2) عراق کی آزادی اور دجلہ کی اہمیت: 20ویں صدی میں عراق کی آزادی کے بعد، دجلہ کو زرعی ترقی کے لیے استعمال کیا گیا۔ سد موصل اور سد سامراء جیسے بند بھی تعمیر کیے گئے۔

(3) ترکی، شام اور عراق کے درمیان تنازع: ترکی نے دجلہ پر کئی ڈیم بنائے، جن میں آتاترک ڈیم (Ataturk Dam) شامل ہے، جس کی وجہ سے عراق میں پانی کی قلت پیدا ہوئی۔

دریائے دجلہ کی ثقافتی اور مذہبی اہمیت:

قرآن، تورات اور بائبل میں دجلہ اور فرات کا ذکر "جنت کی نہریں" کے طور پر ملتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے حوالے سے بھی بعض روایات میں اس دریا کا ذکر کیا جاتا ہے۔

متعدّد مشہور شعراء، ادبا، اور فلاسفہ اسی دریا کے کنارے پروان چڑھے، جیسے ابن سینا، جاحظ، الکندی وغیرہ۔

سچ تو یہ ہے کہ دریائے دجلہ ایک ایسا دریا ہے جو نہ صرف مادی وسائل بلکہ تہذیبی، ثقافتی اور تاریخی لحاظ سے بھی بے حد اہم ہے۔ یہ دریا قدیم ترین سلطنتوں، علمی تحریکوں، مذہبی روایات اور جدید سیاسی مسائل میں ہمیشہ ایک مرکزی حیثیت رکھتا رہا ہے۔ آج کے دور میں پانی کی قلت، ماحولیاتی تبدیلی اور سیاسی تنازعات نے دجلہ کی اہمیت کو مزید بڑھا دیا ہے۔

دریائے دجلہ کا جغرافیہ:

دریائے دجلہ (Tigris River) مشرق وسطیٰ کا ایک اہم دریا ہے جو ترکی، شام اور عراق سے گزرتا ہے۔ یہ دریائے فرات کے ساتھ مل کر "شط العرب" (Shatt al-Arab) بناتا ہے، جو بالآخر خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔ دجلہ کو پانی کے بہاؤ، زرخیز زمینوں اور تہذیبی اہمیت کے باعث "زندگی دینے والا دریا" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا آغاز مشرقی ترکی کے طوروس پہاڑوں (Taurus Mountains) سے ہوتا ہے۔ یہ تقریباً 1,850 کلومیٹر لمبا ہے۔

اس کا منبع بحیرہ اسود کے قریب واقع ہے اور یہ کئی چھوٹے ندی نالوں سے مل کر تشکیل پاتا ہے۔ اور اپنے طویل سفر میں یہ ترکی، شام اور عراق سے گزرتا ہے، ترکی میں یہ 400 کلومیٹر تک بہتا ہے، جب کہ شام میں صرف 50 کلومیٹر کی مختصر گزرگاہ رکھتا ہے۔ عراق میں داخل ہونے کے بعد بغداد، موصل، تکریت اور بصرہ جیسے بڑے شہروں سے گزرتا ہے۔ آخر میں دریائے فرات سے مل کر "شط العرب" بناتے ہوئے خلیج فارس میں جا گرتا ہے۔

اس میں کئی معاون ندیاں شامل ہوتی ہیں جو اس کے پانی کے بہاؤ میں اضافہ کرتی ہیں۔ دائیں کنارے کی ندیوں میں ترکی اور عراق سے آنے والی ندی **گریزون** (Greater Zab) ہے جو موصل کے قریب دجلہ سے ملتی ہے۔ **چھوٹا زاب** (Lesser Zab) ایران سے آنے والی ندی ہے اور کرکوک کے قریب دجلہ میں شامل ہوتی ہے۔ **دیالہ** (Diyala) ندی بھی ایران سے بہتے ہوئے بغداد کے قریب دجلہ سے جا ملتی ہے، اس کے علاوہ **کرون** نامی ایک ندی بھی ایران سے آکر جنوبی عراق میں دجلہ میں شامل ہوتی ہے۔ بائیں کنارے کی ندیوں میں **خابور** (Khabur)، **عظیم** (Adhaim) یہ دو ندیاں دجلہ میں گرتی ہیں۔

دجلہ کے تاریخی شہر:

دجلہ کے کنارے کئی بڑے اور تاریخی شہر ترکی کا دیار بکر، شام کا حسکہ، عراق کا موصل، تکریت، بغداد، کوت اور بصرہ شہر آباد ہیں۔

عراق کا بندرگاہی شہر جہاں دجلہ اور فرات "شط العرب" بناتے ہیں۔ دریائے دجلہ جغرافیائی لحاظ سے نہایت اہم دریا ہے، جو تین ممالک کو سیراب کرتا ہے اور ہزاروں سال سے انسانی تہذیب کا مرکز رہا ہے۔ اس کا پانی زراعت، صنعت، نقل و حمل اور ثقافتی ورثے کے لیے انتہائی ضروری ہے، لیکن بڑھتے ہوئے ماحولیاتی خطرات اور سیاسی تنازعات کی وجہ سے یہ دریا بحران کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ ■■

حکمت نامہ

طب نبوی-ایک ہدایت ایک پیغام

ڈاکٹر محمد اقتدار حسین فاروقی

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کے وہ ارشادات جن کا تعلق انسانی امراض اوران کے علاج نیز حفظان صحت کے ضمن میں ہے انھیں ایک عنوان کے تحت بیان کرکے صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، ترمذی وغیرہ میں کتاب الطب کا نام دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ کتاب المرضیٰ، کتاب الاشربہ، کتاب الاطعمہ، کتاب اللباس، کتاب الجنائز، کتاب السلام، کتاب المساقاۃ، کتاب الادب وغیرہ کے تحت بیان کردہ بہت سی احادیث کو علمائے کرام نے طب نبوی کے تحت بیان کیا ہے۔

اس طرح اگر طب نبوی کے موضوع کی ساری احادیث کو یکجا کیا جائے تو ان کی تعداد چار سو سے تجاوز کرتی ہے۔ الجوزی نے زادالمعاد فی ہدی خیر المعاد کے باب النبوی میں کم وبیش تین سو پچاس احادیث شامل کی ہیں۔

حالیہ برسوں میں طب نبوی پر کئی اہم تصانیف منظر عام پر آئی ہیں۔ ان میں بڑی محنت اور عقیدت کے ساتھ احادیث کے معنی ومفہوم کو بیان کرکے نبی کریم ﷺ کے بتائے ہوئے علاج کے طریقوں کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ کتابیں مسلمانوں کے لیے یقینا اہمیت کی حامل ہیں کیوں کہ یہ ایمان کو طاقت بھی پہنچاتی ہیں اور علم میں اضافہ کا سبب بھی بنتی ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کو کئی اعتبار سے مکمل سمجھنا مشکل ہے۔

زیادہ تر تصانیف میں پیغمبری دواؤں کی پہچان کی بابت فاش غلطیاں کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ایک کمی جو بیشتر طب نبوی کی کتابوں میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ مصنّفین نے عام طور سے نبی کریم ﷺ کی طبی ہدایات کے ان مثبت پہلوؤں پر تفصیلی روشنی نہیں ڈالی ہے جن سے ساری دنیا فیضیاب ہوئی ہے۔

یورپ کے غیر مسلم مورخین کا خیال ہے اور جسے سائنس کی تاریخ کی بیشتر کتابوں میں پڑھا جاسکتا ہے کہ ساتویں صدی سے دنیائے اسلام میں طبی سائنس سے دلچسپی اور زبردست فروغ کی اصل وجہ پیغمبر اسلام کی وہ طبی ہدایات تھیں جو انہوں نے عام مسلمانوں کو دیں اور جن پر پوری امت نے صدق دلی سے عمل کیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ساتویں صدی اور اس سے قبل کے مروجہ جھاڑ پھونک اور جادو ٹونا جیسے علاجوں سے ہٹ کر مسلمان دوا پر اتنا زور کیوں کر دیتے اور دنیا کے بہترین اسپتالوں کی بنیاد بغداد، دمشق، قاہرہ، غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ وغیرہ میں کیوں کر پڑتی اور یونانی طب کی بنیادوں پر اسلامی طب کی اہمیت کو ساری دنیا ماننے پر مجبور ہوتی ہے اور مسلمان اطباء کی "القانون (Qanun)" اور "الحادی (Continens)" جیسی تصنیفات کو یورپ کی میڈیکل یونیورسٹیوں میں چھ سو سال سے زیادہ عرصہ تک کیوں کر پڑھایا جاتا؟

طب نبوی کے موضوع پر کثیر تعداد میں مسلم علما اور دانشوروں کی تصنیف کردہ زیادہ تر کتابیں ایسی ہیں جن میں علاج و معالجہ کا روحانی نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ نیز اعتقادات کے پہلو پر زور دیتے ہوئے پیغمبری دواؤں کی افادیت بیان ہوئی ہے۔ عام طور سے ارشادات رسول ﷺ کو موجودہ سائنسی علم کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش نہیں کی گئی ہے اس سچائی کو اب مغرب کے مورخین بھی تسلیم کرنے لگے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ارشادات رسول ﷺ نے طبی علم کو حیات نو بخش کر انسانیت پر احسان فرمایا ہے۔ کیوں کہ اسلام سے قبل طبی علم تقریباً بھلایا جاچکا تھا۔ یہی نہیں طبعی علاج ومعالجہ غیر دینی عمل تصور کیا جاتا تھا۔ مشہور مورخ ڈگلس گتھری تسلیم کرتا ہے کہ مسلمانوں

ڈپٹی ڈائریکٹر (ریٹائرڈ)، نیشنل بوٹینیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (حکومت ہند)، لکھنؤ

میں طبی سائنس کی گہری دلچسپی اور فروغ کی اصل وجہ وہ ارشادات اوراحکام تھے جو رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو دیے تھے۔

طب نبوی سے متعلق بعض اردو تصانیف یا مشہور عربی کتابوں کے انگریزی اور اردو ترجمے منظر عام پر آئے ہیں جن میں ادویہ کی سائنسی پہچان کی کوشش تو کی گئی ہے لیکن یہ کوششیں ایسی نہیں ہیں جن کو سائنسی اعتبار سے قبولیت حاصل ہو سکے۔ کیوں کہ بعض سائنسی غلطیاں بہت واضح ہیں۔ مثلاً زیادہ تر کتابوں میں بہی (حدیث۔ سفرجل) لوبان (حدیث، لبان) کندر (حدیث، کندر) عود (حدیث، عود الہندی) ورس (حدیث، ورس) اور کافور (حدیث، کافور) وغیرہ کی شناخت ایسی نباتاتی ناموں سے کی گئی ہے جو سراسر غلط ہیں۔ ان غلطیوں کے ساتھ طب نبوی کی تصانیف نہ تو اس اہم موضوع کے شایان شان ہیں اور نہ ہی اس کا حق ادا کرتی ہیں۔ بعض تصانیف میں کچھ نامناسب خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے علاج کے سامنے موجودہ طبی علاج کو ہیچ بتایا گیا ہے۔ مصنّفین نے ملحوظ نہ رکھا کہ موجودہ طبی علم کی بنیاد اصل میں وہی طبی سائنس سے جس کو مسلمانوں نے ہی فروغ دیا اور مسلمانوں کا طبی علم ارشادات رسول ﷺ کا مرہون منت ہے۔ کسی بھی دوسرے علم کی طرح طبی علم ہمیشہ ترقی پذیر ہونے والا علم ہے اوراس کے اشارے احادیث میں بکثرت ملتے ہیں۔

بہت سی احادیث موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ باقاعدگی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتے اور اپنی بیماریوں کے بارے میں بتاتے تھے۔ وہ انھیں مشورہ دیتے کہ پہلے دوا کا سہارا لیں اور پھر اللہ سے بیماری سے نجات کی دعا کریں۔ کئی مواقع پر وہ خود کچھ دوائیں تجویز کرتے۔

مثال کے طور پر، بھوک نہ لگنے کی صورت میں وہ اکثر تلبینہ لینے کا مشورہ دیتے، جو کہ جو سے تیار کی جاتی ہے۔ قبض کے لیے وہ سنا (Senna alexandrina) کے استعمال کا مشورہ دیتے۔ وہ تندرست رہنے کے لیے شہد کے باقاعدہ استعمال کے حق میں بھی تھے۔ اسی طرح مختلف بیماریوں کے لیے وہ زیتون (Olea Europaea) کلونجی (Nigela Sativa)، کاسنی (Cichorium entybus)، میتھی (Trigonella foenum-graecum)، ادرک (Zingiber officinale) مرزنجوش (Origanum vulgare) زعفران (Crocus sativus) سرکہ وغیرہ کے استعمال کا مشورہ دیا کرتے۔ یہاں تک کہ پینے کے پانی، کھانا کھانے اور صاف ستھرا رکھنے کے لیے بھی انھوں نے مشورہ دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ ”صفائی نصف ایمان ہے۔“

واضح رہے کہ مغرب کے مؤرخین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ دور وسطیٰ میں جس جھاڑ پھونک کا چلن نصرانیوں اور یہودیوں میں عام تھا اسے ختم کرنے میں اسلامی نقطۂ نظر بہ سلسلۂ طب کا سب سے اہم رول رہا ہے۔ یہ چلن نہ ختم ہوا ہوتا تو آج کا طبی انقلاب بھی بپا نہ ہوا ہوتا۔ طب نبوی کا اصل مقصد و مدعا مسلمانوں کو طبی علاج کی طرف متوجہ کرنا تھا نہ کہ عام طبیبوں کی طرح دواؤں کے نسخہ جات عطا کرنا۔

لہٰذا طب کے سلسلہ کے فرمودات رسول ﷺ کو آج کل کے طبیبوں کے نسخوں کی روشنی میں پرکھنا نامناسب طرز فکر ہے۔ ابن خلدون نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ”مقدمہ“ میں اس نقطۂ نظر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ترجمہ: رسول کریم ﷺ کا پیغام خدائی قانون کا ہم تک پہنچانا تھا نہ کہ عام طبی نسخوں کو بتانا۔

ابن خلدون کی نظر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طبی اور غیر طبی سارے علوم میں مسلمانوں کو دلچسپی لینے کی تلقین فرمائی اوران میں خود اعتمادی پیدا کرنے کا طریقہ اپنایا۔ اس ضمن میں ابن خلدون مسلم کی وہ حدیث بیان کرتا ہے جو حضرت انس سے مروی ہے اور جس کے بموجب کھجور کے درختوں میں تابیر (Fecundation) نہ کرنے کا مشورہ کی بنا پر پیداوار میں کمی واقع ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ وہ دنیاوی معاملات میں اپنے علم

اور جانکاری کی روشنی میں کام کریں۔ اس واقعہ نے مسلمانوں میں یقیناخود اعتمادی کا زبردست احساس پیدا کیا تھا۔

ہندوستان اور پاکستان کے بعض مصنفین نے طب نبوی کا جائزہ لیتے ہوئے جو طریقہ اپنایا ہے وہ ابن خلدون کے نظریات سے بالکل مختلف ہے۔ مثلاً ایک پاکستانی مصنف نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیماری دل سے متعلق بخاری کی حدیث کو بیان کرتے ہوئی تحریر فرمایا کہ دل کے دورہ کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نسخہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے تجویز کیا تھا یعنی پسی ہوئی سات کھجوریں وہ آج کل کی Bypass Heart Surgery سے کہا بہتر ہے۔

موصوف نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو کھجور کھانے کی صلاح دیتے ہوئے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ چونکہ وہ دل کے مرض میں مبتلا ہیں لہٰذا ثقیف کے طبیب حارث بن کلدہ سے رجوع کریں جو ایک یہودی حکیم تھا اور بڑا ماہر بھی۔ گویا اس حدیث میں پیغام مضمر ہے کہ کسی بھی جان لیوا مرض میں لازم ہے کہ مریض یا اس کے متعلقین اس علاقے کے ماہر طبیب سے رجوع کر کے بہتر سے بہتر دوا اور علاج سے فائدہ اٹھائیں۔ واضح رہے کہ رسول اللہ نے خود اپنے علاج کے لیے متعدد دوائیں استعمال کیں۔ صرف حب سوداء یا کھجور پر اکتفانہ کیا۔

ساتویں صدی اور اس سے قبل افریقہ اور ایشیا کے سارے علاقوں میں جہاں رومیوں یا بازنطینیوں کا اقتدار تھا، طب سے شدید نفرت پائی جاتی تھی اور دینی اعتبار سے کسی مرض کے لیے دوا کے استعمال کو نامناسب عمل تصور کیا جاتا تھا۔ مرض پر قابو پانا یا اس سے چھٹکارا دلانا طبیب کا کام نہ تھا بلکہ یہ فریضہ کاہنوں، جادوگروں یا پھر عبادت گاہوں میں رہنے والے رہنماؤں کا تھا۔

بعض یورپین مؤرخین نے لکھا ہے کہ رومن سلطنت کے زوال کے بعد کئی سو سال تک کلیسا نے یونانی طبی علم کو جاہلیت (Heathen) سے تعبیر کر کے الحاد بتایا اور امراض کے علاج کے لیے صرف روحانی علاج کی اجازت دی۔ علاج و معالجہ کے سلسلہ میں یورپ کا حال فارس، عراق، شام و مصر کے حال سے زیادہ خراب تھا۔ وہاں تو سوائے جادو، ٹونا اور گنڈہ و تعویذ کے مرض سے نجات پانے کا کوئی دوسرا طریقہ ہی نہ تھا۔ طبعی علاج کرنے والے سزا کے مستحق قرار دیے جاتے۔

ڈونالڈ کیمبل نے 1926 میں یورپ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے، ترجمہ: اسلامی سائنس (کے فروغ) کے دور میں یورپ تاریکی کے دور سے گزر رہا تھا۔ جہل کی برائیاں، کٹرپن، ظلم، جادو، ٹونا اور تعویذ عام تھے۔

کیمبل کے نزدیک یورپ میں علم سے بیزاری کی اصل وجہ کلیسا کا رول تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ: ترجمہ: عیسائی کلیسا نے یورپ کی علمی سطح (ماحول) کو مزید گرانے میں مدد کی۔

یورپ کی جاہلیت کے ماحول کا تذکرہ کرنے کے بعد کیمبل عیسائیت اور اسلام کا موازنہ بہ سلسلۂ طب ان الفاظ میں کرتا ہے: ترجمہ: جن دنوں عیسائی دنیا تاریک دور سے گزر رہی تھی اس وقت اسلام کے عالموں نے علم الطب میں حیرت انگیز سرگرمی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔

جارج سارٹن کے خیالات کیمبل کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ: ترجمہ: اسلام سے قبل دوا کے معنی جادو کے تھے نہ کہ اصل دوا کے۔

یورپ میں علاج و معالجہ کے لیے کلیسا کی مخالفت لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے پیش نظر ڈی بوائر نامی دانشور یہ لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے: "مسلمانوں نے سائنس کو فرسودہ اعتقادات سے پاک کر دیا۔"

ڈگلس گتھری (Douglas Guthrie) نے رومن اور بازنطین کے علاقوں میں طبعی طریقہ علاج کے خلاف عام رجحان کی بہت سی مثالیں دیں ہیں اور تحریر کیا ہے کہ اگر کوئی طبعی علاج کیا بھی جاتا اور اس سے فائدہ ہوتا بھی تو تاثر یہ دیا جاتا کہ کامیاب علاج دعا کا نتیجہ ہے نہ کہ دوا کا۔

امراض کو تقدیر الٰہی سمجھ لینا اور اس کے لیے علاج کو غیر ضروری سمجھنا ایک ایسا طرز فکر تھا جو رومن سلطنت میں عام تھا اور کہا جاتا ہے کہ یہی منفی طرز عمل اس کے زوال کا سبب بنا۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک زبردست ملیریا کی وبا نے رومن سلطنت کی کافی آبادی کو موت سے ہمکنار کر دیا۔ لاکھوں افراد دماغی اور جسمانی اعتبار سے مفلوج ہو گئے۔ سلطنت کا ڈھانچہ گرنے لگا لیکن صورت حال پر قابو پانے کے لیے کوئی طبی طریقہ نہ اپنایا گیا۔ کیونکہ ایسا کرنے کو دین کی مخالفت سمجھی گئی۔

غرضے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس دور میں سارا عالم بالعموم دنیا اور عرب دنیا بالخصوص طب یا طبی علم سے بے خبر ہی نہ تھی بلکہ اس پر اعتقاد کو دین کی ضد تصور کرتی تھی۔ پانچویں صدی عیسوی قبل مسیح کا یونانی طبی علم تاریکیوں میں کھو چکا تھا۔ بقراط (Hippocratus) کا کوئی نام لیوا نہ تھا۔ ایسے دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طب، دوا و علاج، صحت و تندرستی، صفائی و ستھرائی اور پاکی کے لیے انقلابی ہدایات عطا فرمائیں۔ امراض کے تدارک کے لیے طبی علاج کو اپنانے کا حکم صادر فرمایا۔ بامعنی دعا کی اجازت دی لیکن بے معنی جھاڑ پھونک کی مخالفت فرمائی۔ دعا سے قبل مناسب دوا کا راستہ اپنانے کی تلقین کی۔ مرض کو اور مرض کے علاج دونوں کو تقدیر الٰہی سے تعبیر کیا۔

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج و معالجہ کے لیے جو ہدایات دیں ان پر خود بنفس نفیس عمل کر کے امت کے لیے مثالیں قائم فرما دیں۔ مختلف مواقع پر ضروری طبی مشورے دیے۔ سنن ابو داؤد میں ایک روایت بیان ہوئی ہے جس کی رو سے حضرت سعد بن وقاص کو سینہ میں شدید درد کی شکایت ہوئی تو حضور اکرم ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے حال معلوم کیا اور حضرت سعد کے سینہ پر اپنا مرمریں ہاتھ رکھا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا فرمانا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے سے ان کے سینے میں ٹھنڈک محسوس ہوئی گویا وہ ٹھیک ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر اپنی امت کے کسی بیمار فرد پر ہاتھ رکھ دے تو اس کا کیا سوال کہ وہ مریض فوراً صحت یاب نہ ہو جائے اور یہ معجزہ کسی نبی، کسی پیغمبر کے لیے بڑی بات بھی تو نہیں لیکن پیغمبر اسلام اس موقع پر کسی معجزاتی علاج کو ضروری نہ سمجھتے ہوئے حضرت سعد کو طبی علاج کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ مشورہ یقیناً آئندہ نسلوں کے لیے پیغام ثابت ہوتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ انھیں (سعد کو) دل کی تکلیف (دورہ) ہے اس لیے اچھے طبیب سے رجوع کیا جائے اور جس طبیب سے رجوع کرنے کا مشورہ مرحمت فرماتے ہیں وہ حارث بن کلدہ نامی شخص تھا جو ثقیف کا باشندہ تھا۔ اس نے طب کا فن ایران کے مشہور شہر شاپور میں حاصل کیا تھا اور عقیدہ کے اعتبار سے ایک یہودی تھا۔ ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ اس نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے یہودی ہونے اور ماہر فن ہونے سے خوب واقف تھے۔

غرضیکہ حضرت سعد کا علاج حارث کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ وہ صحت یاب ہو جاتے ہیں اور ایک عرصہ تک اسلامی افواج کی قیادت فرماتے ہیں۔ عراق و فارس کی مہم سر کرتے ہیں۔ مندرجہ بالا احادیث کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ یہ حضرت سعد کے لیے صرف ایک صلاح ہی نہیں بلکہ ایک پیغام ہے پوری امت کے لیے کہ جب بھی کوئی فرد کسی شدید مرض میں مبتلا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے قرب کے کسی ماہر طبیب سے رجوع کرے۔ طبیب کا صرف ماہر ہونا شرط ہے۔ اس کا دین اور نسل اور قومیت کیا ہے اس کا کوئی واسطہ علاج سے نہیں۔

بعض احادیث سے اس بات کا واضح طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے صحابی جب بھی آپ کے زبان مبارک سے کسی مریض کے لیے طبیب سے رجوع کرنے کی ہدایت سنتے تو قدرے تعجب میں پڑ جاتے اور کبھی دریافت بھی کر لیتے کہ "یہ آپ فرماتے ہیں" چنانچہ حضرت عمرو بن دینار کی سند سے ایک حدیث اس طرح بیان ہوئی ہے۔ (باقی ص:43 پر)

چراغ خانہ

پردے کی ضرورت

محمد فداء المصطفیٰ قادری

آج کے دور میں پردے کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اصل پردے کے مفہوم سے بہت دور جا چکا ہے۔ فٹنگ والے عبایا، چمک دار اور خوش نما رنگوں کے فینسی حجاب، اور اسٹائلش انداز میں لپٹا ہوا دوپٹہ یہ سب کیا واقعی پردہ کہلانے کے لائق ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ موجودہ دور کی مسلمان خواتین، پردے کے نام پر جو کچھ کر رہی ہیں، وہ در حقیقت شیطان کے جال میں پھنستی جا رہی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ وہ پردہ کر رہی ہیں، جب کہ اصل میں وہ اللہ کی نافرمانی میں مبتلا ہو چکی ہیں اور اپنی ہی عزت و وقار کو مجروح کر رہی ہیں۔ آج کل جو عبایا اور حجاب بازاروں میں دستیاب ہیں، وہ حقیقت میں حیاداری کے بجائے مزید بے حیائی کو فروغ دے رہے ہیں۔ بعض عبایا ایسے باریک کپڑے سے تیار کیے جا رہے ہیں کہ اندرونی لباس تک نمایاں نظر آتا ہے۔ کہیں اتنا چمک دار اور فیشن ایبل لباس ہے کہ دیکھنے والے کی توجہ پردے کی روح سے ہٹ کر لباس کی خوبصورتی پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ بعض عبایا ایسے چست اور لچک دار کپڑے سے بنائے جا رہے ہیں کہ وہ پورے جسم سے چپک جاتے ہیں اور جسم کے خد و خال کو نمایاں کرتے ہیں۔ کیا یہی پردے کی اصل روح ہے؟ کیا یہی وہ پردہ ہے جس کا قرآن اور حدیث میں ذکر کیا گیا ہے؟

بدقسمتی سے، ہماری تعلیم یافتہ خواتین بھی اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ وہ پردے میں ہیں، جب کہ در حقیقت ان کے پردے کو بھی پردے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم تاریخِ اسلام کا مطالعہ کریں، تو ہمیں معلوم ہوگا کہ پردہ محض جسم کو ڈھانپنے کا نام نہیں، بلکہ ایک مکمل طرزِ زندگی ہے جو عورت کی عفت، پاکیزگی اور عزت کی حفاظت کرتا ہے۔ آج کی لبرل سوچ میں یہ بات عام ہو چکی ہے کہ "پردہ تو صرف نظر کا ہوتا ہے"۔ یعنی، اگر نیت صاف ہو تو لباس کی کوئی قید نہیں۔ یہ سوچ در اصل اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ اسلام میں پردہ صرف نظر جھکانے کا نام نہیں، بلکہ مکمل لباس میں حیا اور شرم کا عنصر شامل ہونا بھی ضروری ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ عورتیں اپنی زینت کو نہ دکھائیں اور اپنی چادر سے خود کو ڈھانپ کر رکھیں۔ (سورۃ النور، آیت 31)

یہ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم پردے کو اس کی حقیقی روح کے مطابق اپنائیں، نہ کہ اسے ایک فیشن کے طور پر استعمال کریں۔ پردہ وہی قابلِ قبول ہے جو نہ صرف جسم کو مکمل طور پر ڈھانپے بلکہ حیا اور وقار کا بھی مظہر ہو۔ ہمیں مغربی سوچ سے متاثر ہو کر اپنی اسلامی روایات کو پامال نہیں کرنا چاہیے، بلکہ فخر کے ساتھ احکامِ الٰہی پر عمل پیرا ہونا چاہیے، کیوں کہ اصل کامیابی اسی میں ہے۔

ذرا ان سے کوئی پوچھے تو سہی کہ شہزادی کونین حضرت فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم و حیا کا کیا عالم تھا؟ کیا امہات المومنین کی شرم و حیا کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟ یہ وہ عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ کے احکام کے مطابق گذارا، ان کا پردہ کرنا ایک مثال ہے جس کی پیروی ہم سب کے لیے ضروری ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دیگر امہات المومنین کو پردہ کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کیا یہ محض ایک رسم تھی؟ نہیں، بلکہ یہ اللہ کے حکم کی اطاعت تھی۔ اللہ کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنا، یہی ان کا طریقہ تھا۔ اگر اللہ کا حکم تھا تو وہ بغیر کسی اعتراض کے اسے قبول کر لیتیں۔ ان خواتین کا پردہ کرنا صرف

ڈگری اسکالر: جامعہ دارالہدیٰ اسلامیہ، ملاپورم، کیرالا

ان کی عفت اور حیا کا مظہر نہیں تھا بلکہ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ وہ اپنے خالق کے احکام کی ہر صورت میں تعمیل کرتی ہیں۔

آج کل کی پڑھی لکھی جاہل عورتوں کی طرح اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے کی بجائے، انہوں نے اللہ کے حکم کو سر آنکھوں پر لیا۔ وہ یہ جانتی تھیں کہ اللہ کی طرف سے جو حکم دیا جاتا ہے، وہ حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگیوں میں بے پناہ سکون اور برکت تھی۔ آج ہمیں ان عظیم خواتین کی زندگیوں کو اپنے لیے نمونہ بنانا چاہیے، اور اللہ کے ہر حکم پر بغیر کسی سوال کے عمل کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی عقل کو اللہ کے حکم کے تابع کرنا سیکھنا ہوگا، کیوں کہ یہی ہماری کامیابی اور سکون کا راستہ ہے۔

کچھ تو شرم کرو، بنت حوا! کہاں جا رہی ہو؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اپنی عزت، اپنی حیا اور اپنی شناخت کو نظر انداز کر کے بے پردگی کی راہ اختیار کر رہی ہو؟ کیا تمھیں نہیں پتا کہ تمھاری شرم و حیا تمھاری پہچان ہے؟ جب قیامت کے دن ہمارا اعمال نامہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا جائے گا تو ہم کیا جواب دیں گے؟

آج ہم اپنی زندگیوں میں جتنی بے پردگی، بے حیائی اور فحاشی کا شکار ہیں، قیامت کے دن جب یہ سب کچھ ہمارے اعمال نامے میں لکھا ہوا ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرم سے کس طرح سر جھکائیں گے؟ وہ تو وہ ذات ہیں جنھوں نے اپنی امت کی بخشش اور مغفرت کے لیے راتوں کو اللہ کے سامنے دعا کی، اور رو کر اللہ سے اپنی امت کی نجات کی درخواست کی۔ وہ جو ہماری وجہ سے بے پناہ پریشانی میں مبتلا ہوئے، ہمارے اعمال کی وجہ سے ان کی تکلیف کا اندازہ ہم نہیں لگا سکتے۔ وہ اپنی امت کی بخشش کے لیے اپنی جان تک کو خطرے میں ڈالتے ہیں، اور ہم ان کی شفاعت کو بے وقعت کرتے ہوئے بے حیائی کی راہ اختیار کر رہے ہیں۔

آج کل کی اکثر خواتین آزادی اور جدیدیت کے نام پر پردہ اور حیا کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال چکی ہیں۔ لباس کا یہ حال ہے کہ پردہ کی جگہ اب فیشن، اسٹائل اور دیگر ظاہری باتوں نے لے لی ہے۔ ہم یہ بھول چکے ہیں کہ ہمارا پردہ ہماری پہچان ہے، ہماری عزت کا تحفظ ہے اور یہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے۔ جب ہم قیامت کے دن اپنے اعمال کے بارے میں حساب دیں گے، تو کیا ہماری بے پردگی، فحاشی اور بے حیائی کی وجہ سے اللہ کی رضا کی جگہ عذاب ہمارا مقدر بنے گا؟ صرف عورتوں کا ہی نہیں، ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ہم اللہ کے احکام پر عمل کریں اور اس کی رضا کے لیے زندگی گزاریں۔ اللہ پاک ہمیں اپنے شیطان کے شر اور اپنے عذاب سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

قیامت کے دن جب ہماری زندگی کا حساب کتاب ہوگا اور ہمیں ہمارے اعمال کے بارے میں بتایا جائے گا، تو کیا ہم اپنی بے حیائی پر شرمندہ ہوں گے؟ آئیں، ہم اپنے اعمال کا محاسبہ کریں اور اللہ کے احکام کے مطابق اپنی زندگی گزاریں۔ اللہ ہمیں اپنی ہدایت دے اور ہم سب کو اپنی مغفرت اور بخشش کا حق دے۔ آمین۔

▪▪▪

اہلِ قلم متوجہ ہوں!

ماہ نامہ اشرفیہ الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی و علمی ترجمان ہے۔ ہم کوشش کرتے ہیں کہ اپنے قارئین کو ہر ماہ عمدہ ترین اور نفع بخش معلومات پیش کریں۔ اہلِ قلم حضرات و خواتین سے گزارش کرتے ہیں دینی و شرعی، تاریخی و ثقافتی، سیاسی و سماجی، ادبی اور فنی موضوعات پر اپنی نگارشات ماہ نامہ اشرفیہ کو ارسال فرمائیں۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اور دیگر مدارس کے طلبہ و طالبات بھی اپنے مضامین اور دیگر کاوشیں ارسال کر سکتے ہیں، معیار کے پیش نظر وقتاً فوقتاً آپ کی ارسال کردہ تحریریں شائع کی جائیں گی۔ ان شاء اللہ عزوجل۔ (ادارہ)

فکر و نظر

معاشی مسائل اور ان کے اسلامی حل

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علمائے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: **مبارک حسین مصباحی**

* مئی 2025 کا عنوان — دور جدید کے مسلم سائنس داں اور ان کی خدمات
* جون 2025 کا عنوان — قربانی کے سماجی پہلو

مروجہ معاشیات اپنی افادیت کھو چکی ہے

از: ڈاکٹر وقار انور

مروجہ معاشیات اپنی افادیت کھو چکی ہے۔ اس سے انسانی دنیا کے معیشت سے متعلق مسائل کے منصفانہ حل کی توقع محال ہے۔ آج دنیا میں نوع بہ نوع مظالم کا جو دور دورہ ہے ان میں اکثر کا سر رشتہ مروجہ معاشی نظام سے جڑا ہوا ہے۔ دور جدید میں معیشت کے جو تصورات، طور طریقے اور عرف رائج ہیں ان کے ذکر میں دو الگ الگ نظاموں، یعنی سرمایہ داری اور اشتراکیت، کا حوالہ دیا جاتا ہے۔حقیقت میں بلکہ عملاً بھی یہ دونوں ایک ہی نظام حیات کی دو شاخیں ہیں۔ ہو سکتا ہے اپنی ابتدا میں اپنے غیر عملی دعووں کی بنا پر یہ دونوں باہم متصادم طریقے سمجھے جاتے ہوں لیکن آج ہم انھیں جس مقام پر پاتے ہیں ان میں کوئی جوہری فرق تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گا۔ دونوں کی قلعی اتر چکی ہے اور اپنی عملی صورت کے لحاظ سے دونوں ایک، یا کم از کم ایک جان دو قالب، ہو چکے ہیں۔

اس مقالہ میں ان تمام مسائل کا تفصیلی ذکر جو مروجہ معاشی نظام کے پیدا کردہ ہیں، نہیں کیا جا رہا ہے۔ البتہ چار امور کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا۔

(1) معیشت کی کل کمیت (size) کو ناپنے کے دو طریقہ ہوتے ہیں۔ ایک حقیقی معیشت اور دوسری تمویلی معیشت اول الذکر میں کل پیداوار و خدمات کی قیمت کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ گروس ڈومیسٹک پراڈکٹ اس کی مثال ہے۔ آخر الذکر میں بازار میں لین دین کے تمسکات کی مجموعی قدر کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ چوں کہ لین دین کے تمسکات کا تعلق پیداوار و خدمات سے ہی ہوتا ہے اس لیے ایک صحت مند معیشت میں دونوں میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ آخر الذکر ادھار بیع کے سبب کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔ جدید دنیا کی صورت حال اس لحاظ سے دگرگوں ہے۔ تمویلی معیشت ایک اندازہ کے مطابق حقیقی معیشت سے کم از کم دس گنا زیادہ ہے۔ اس زیادتی کا سبب قمار اور قیاس آرائی پر مبنی طریقہ کار ہیں جن میں بیش تر معیشت کی تباہی کا باعث ہیں۔ ان کی افادیت

ان کی پیدا کردہ مصیبتوں اور خطرات سے زیادہ ہے۔

(2) کاروبار میں قرض کا عمل دخل بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ یعنی نفع و نقصان میں شراکت کی بنیاد پر سرمایہ کاری (equity) قرض (debt) کے مقابلہ میں کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ سود کی بنیاد پر قرض کا حصول آسان ہو گیا ہے۔

(3) بڑے کاروباری ادارے، خصوصی طور پر بین الاقوامی کارپوریٹ سیکٹر (multi-national companies) اپنے وافر سرمایہ کے سبب اتنا رسوخ حاصل کر چکے ہیں کہ ملکوں کی معیشت پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں اور حکومتوں سے ایسے فیصلے کرا لینے میں کامیاب ہوتے جا رہے ہیں جو عوام کے مفادات کے منافی ہوتے ہیں۔ اکثر حکومتوں کا نظم و نسق ان کے ممنون و مشکور افراد بلکہ کارندوں کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔

(3) مستقبل میں استعمال ہونے والے وسائل حیات آج ہی استعمال کیے جا رہے ہیں۔ آسان قرض (easy credit) کی فراہمی میں ایسا کرنا ممکن اور سہل ہو گیا ہے۔ وسائل حیات کے اس بے محابہ استعمال سے دیگر نقصانات کے ساتھ اس زمین پر انسانی زندگی کے مستقبل اور ماحولیات کے ناقابل تلافی حد تک خراب ہو جانے کے خطرات پیدا ہو گئے ہیں۔

درج بالا خرابیوں کے بہت سے اسباب ہیں۔ ان میں نمایاں وجوہات درج ذیل ہیں۔

(1) انسانوں کی فلاح کے لیے جو علوم بنے ان میں شاید معاشیات کو یہ منفی طرہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں اقدار سے لاتعلقی مسلمہ اصول کے طور پر اختیار کی جاتی ہے اور صاف صاف بیان کر دیا جاتا ہے کہ علم معاشیات کو اقدار سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ (economics is value-neutral)۔ یہاں بنیادی نکتہ اچھی کارکردگی (efficiency) سے قلیل وسائل کا استعمال ہے تاکہ بیش از بیش افادیت (utility) کا حصول ہو۔ پیداوار خدمات طلب اور رسد وغیرہ کے اصول اسی غرض سے وضع کیے گئے ہیں۔ بلاشبہہ انسانی ضروریات کی تکمیل مکمل روزگار اور پائیدار معیشت کی رفتار ترقی وغیرہ مروجہ معیشت کے بنیادی مقاصد (normative goals) میں شامل ہیں لیکن اقدار کی نفی کے ساتھ یہ سب دیرینہ خواب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پچھلی چند صدیوں سے یعنی جب سے زمین کے معاملات کی باگ ڈور مروجہ معیشت کے ہاتھ میں آئی ہے دنیا میں جو کچھ ہوا ہے وہ اس بات پر شاہد ہے کہ تیز رفتار مجموعی ترقی کے باوجود ترقی کے ثمرات سے انسانی آبادی کا بڑا حصہ نہ صرف محروم رہا ہے بلکہ اس کی حالت زار میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

(2) سود جو ماقبل کی تاریخ میں شر کے مقام پر تصور کیا جاتا رہا تھا اسے مروجہ معاشیات نے علمی جواز فراہم کر دیا۔ اب اس کے بغیر معیشت محال سمجھی جاتی ہے۔ اس کے سبب زر اور قرض کے تمسکات (money and debt-documents) قابل بیع (tradable) بن گئے۔

(3) قمار اور قیاس آرائی پر مبنی تمسکات کی بہتات نے یہ تصور عام کر دیا کہ انسانوں کی کسی حقیقی ضرورت کی تکمیل اور پیداوار و خدمات سے قطع تعلق ہو کر بھی قانونی جواز کے ساتھ دولت اکٹھی کی جا سکتی ہے۔ ان کو انسانی نفسیات نے کوئی حرج محسوس کیے بغیر معمولات زندگی کے طور پر قبول کر لیا۔ مروجہ معاشیات کے حسن کرشمہ سازنے اس طرح شر کو خیر کے مقام پر فائز کر دیا۔

متبادل معاشیات کے سلسلہ میں غور و فکر سے قبل ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ متبادل نظام تک رسائی ہمیشہ انقلابی نہیں ہوتی ہے۔ جہاں تک عقائد کا تعلق ہے ان میں مکمل تبدیلی ایک ساتھ کی جاتی ہے۔ لیکن معاملات کی دنیا میں تمام امور کا یکسر تبدیل کیا جانا نہ ممکن ہے، نہ مطلوب اور نہ مفید۔ بہ الفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں انقلابیت کی نہیں بلکہ ارتقائی عمل کی ضرورت ہے۔ معاملات میں بھی عقائد کی طرح انقلابی فکر، مطلوب تبدیلی کی واضح تصویر اور ان پر یقین و اعتماد لازم

ہے۔ البتہ تبدیلی کے عمل کو حکمت سے ساتھ انجام دینا ضروری ہے۔ ویسے بھی ہر زمانہ، ہر علاقہ اور ہر طرح کی معاشی حالت کے پیش نظر بنیادی تصورات کی یکسانیت اور وضاحت کے باوجود کوئی ایک نسخہ کیمیا تیار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

متبادل معیشت کی تلاش میں درج ذیل امور کا لحاظ کیا جانا مناسب ہے۔

(1) مروجہ طریقہ میں مفید و نامفید چیزوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔ علمی اور عملی دنیا میں من و تو کا فرق نہیں ہو سکتا ہے۔ ہر مفید چیز انسانی سماج کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ معاشیات کے میدان میں بھی ایسی چیزوں کی کمی نہیں ہے جنھیں اپنا سمجھ کر اپنانا چاہیے۔ اسی طرح قابل رد چیزوں کی نشاندہی میں بھی کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے۔

(2) مروجہ معاشیات سے مطلوب و متبادل معاشیات کے سفر کے تمام مراحل اور نقشۂ کار کو تیار کر کے یہ سفر شروع کرنا چاہیے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جن چیزوں کی حرمت اور شناعت بالکل واضح ہے، جیسے سود اور سٹہ، وہ بھی مروجہ معیشت میں اس درجہ شامل ہیں کہ متبادلات کو بغیر متعیّن نقشۂ کار کے لانے کی کوشش میں زیادہ بگاڑ پیدا ہونے کے خدشات ہیں۔

(3) جدید دنیا میں بغیر قرض کے (debt free) متعدّد بڑے کاروباری ادارے کامیابی کی طرف گامزن ہیں۔ ان کا مطالعہ کرکے عملی طور پر درپیش مسائل اور ان سے نبرد آزما ہونے کے طریقہ کار کی تعین ہونا چاہیے۔

(4) نفع و نقصان کی شراکت پر مبنی ونچر کیپٹل کی بنیاد پر دنیا میں بہت مفید تجربات ہوئے ہیں۔ خصوصًا امریکہ کے سیلیکن ویلی میں سافٹ ویئر میں تیز رفتار ترقی اس طریقہ پر ہوئی ہے۔ یہ طریقہ قرض کی بنیاد پر تمویل کی نفی کی بنیاد پر ہے۔ ان تجربات سے استفادہ اور اپنی ضرورت کے لحاظ سے نئے تجربات کی ضرورت ہے۔

(5) ہندوستان کی معیشت پیداوار اور خدمات کی بنیادوں پر استوار ہوئی ہے جب کہ مشرق وسطی کی معیشتیں عموماً کرایہ داری پر مبنی (rentier-based) ہیں) یعنی وہاں پیداواری عمل ناقابل اعتنا ہے)۔ اس کی وجہ سے غیر سودی تمویل کے جو تجربات وہاں ہوئے ہیں ان کی معنویت ہماری معیشت کے لیے زیادہ نہیں ہے۔ یہاں کے حالات میں نئے اصول و ضوابط اور نئی راہیں تلاش کرنی ہوں گی۔

(6) مروجہ معاشیات کا ایک بڑا مسئلہ افراد و خاندان کے مستقبل کی آمدنی کی بنیاد پر حال کے اخراجات ہوتے ہیں۔ اس طرح مستقبل کی آمدنی سے قسط وار ادائیگی کے طریقے پر قرض کا بوجھ بڑھتا جاتا ہے اور بحیثیت مجموعی سماج مقروض ہوتا جاتا ہے اور اس طرح بے قابو صارفیت معیشت کے ساتھ ساتھ ماحولیات کے لیے بھی مضر ہوتی ہے۔ مگر اس طریقہ کو کلی طور پر ختم کرنا محال ہے۔ اس لیے اس کے اصول اور نظم و ضبط اور حدود تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

(7) افراد و خاندان کی طرح ممالک بھی حالیہ آمدنی سے زائد اخراجات کا طریقہ اختیار کرتے ہیں جسے خسارہ کی تمویل (Deficit Financing) کہتے ہیں۔ حکومتیں اس خسارہ کو نئے نوٹ چھاپ کر یا ملک و بیرون ملک سے سود کی بنیاد پر قرض حاصل کر کے پوری کرتی ہیں۔ اس وقت دنیا میں فسکل ڈیفیسٹ پر قابو پانے کے لیے جی ڈی پی (GDP) کے حوالے سے ایک طریقہ رائج ہے۔ خسارہ کو جی ڈی پی کے تناسب سے کنٹرول کرنے کا تجربہ اچھا نہیں ہے۔ عملاً اس کنٹرول کے باوجود ممالک کے قرضے اتنے زیادہ ہو جاتے ہیں کہ ہر سال نئے قرض کا تقریبًا پورا حصہ پرانے قرض کے سود اور ایک سال کی قسطوں کی ادائیگی میں استعمال ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرض کے ذریعہ عمومی اور نتیجہ خیز اخراجات کا موقع صرف شروع کے چند برسوں میں ممکن ہوتا ہے اور بعد کے برسوں میں نیا قرض پرانے قرض کی ادائیگی کی نذر ہو جاتا

ہے۔یعنی شروع کے دنوں میں ہی خسارہ کی تمویل سے بچا جا سکے تو مسائل قابو میں رہیں گے۔ ترقی پذیر ممالک کے لیے خسارہ کی تمویل سے مطلقاً بچنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ خسارہ کو کنٹرول کرنے کے لیے جی ڈی پی کے تناسب سے کنٹرول کرنے کے رائج طریقے کے مقابلہ میں کل اخراجات کے تناسب سے قابو میں رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

(8) زر کی پیداوار کا جدید طریقہ انتہائی ظالمانہ ہے۔ اسے مروجہ معاشیات کی بیش تر خرابیوں کی ماں کہنا مناسب ہو گا۔ زر کے سلسلہ میں موجودہ طریقہ کی چند نمایاں خرابیوں کا ذکر درج ذیل ہے۔

زر کی پیداوار اور نوٹوں کی طباعت کے بعد بازار میں آتے ہی سود کا عنصر در کر جاتا ہے؛

- بین الاقوامی لین دین میں امریکی ڈالر کی بلاوجہ بلکہ غیر منصفانہ بلکہ ظالمانہ بالادستی قائم ہے؛
- زر کی کل کمیت کے سلسلہ میں سونے کے معیار (Gold Standard) کو ختم کر دیا گیا ہے؛ اور
- ڈالر میں عالمی وبین الملکی لین دین کا انحصار امریکی حکومتی انتظامیہ کی مرضی کے تحت ہی ہو سکتا ہے۔

اصلاح حال کا کوئی بھی عمل اس معاملہ کی اصلاح کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا ہے۔ ■■■

اسلامی معاشی اصول: کساد بازاری کا حل

از: گلوبل صدقہ ڈاٹ کام۔۔۔ترجمہ: ادارہ

حال فی الحال میں عالمی معیشت کو متعدّد کساد بازاریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، جس کی وجہ سے دنیا کو بڑے پیمانے پر مالی عدم استحکام اور مشکلات کا سامنا ہے۔ ایسے میں اسلامی معاشی اصول ان بحرانوں سے نمٹنے کے لیے ایک الوہی اور جامع نقطۂ نظر پیش کرتا ہے۔ قرآن اور سنت پر مبنی یہ اصول اخلاقی طریقوں، سماجی بہبود، اور پائیدار ترقی پر زور دیتے ہیں۔ اس مضمون میں اس بات کی تحقیق کی گئی ہے کہ کس طرح اسلامی معاشی اصول معاشی کساد بازاری کا دیرپا حل فراہم کر سکتے ہیں۔

اسلامی اقتصادی اصولوں کی بنیادیں: اسلامی معاشی نظام ایک الوہی معاشی نظام ہے جو قرآن، حدیث اور سنت کے ساتھ ساتھ اجماع سے ماخوذ ہے۔ یہ ذرائع تمام معاشی سرگرمیوں کے لیے ایک جامع فریم ورک فراہم کرتے ہیں اور اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ وہ اخلاقی اور پائیدار طریقوں سے ہم آہنگ ہوں۔

معاشیات میں حلال اور حرام کا کردار: اسلامی اقتصادی نظام میں تمام معاشی سرگرمیاں حلال اور حرام کے دائرہ کار میں چلائی جاتی ہے۔ یہ عمل اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ کوئی بھی ایسا کام جو سماجی اور اقتصادی کاروبار کے خلاف مسائل پیدا کر سکتا ہو ممنوع ہے۔ لوگوں یا خاندانوں کو نقصان پہنچانے والے کسی بھی پروڈکٹ یا کاروبار سے اجتناب پر سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

بطور امانت دولت کا تصور: اسلام معاشی مسائل کو اس بات پر زور دے کر حل کرتا ہے کہ بہر حال بالادستی خدا کی ہے۔ جب لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں وہ ان کے پاس محض ایک امانت ہے، تو وہ حلال ذرائع سے مال تلاش کرتے ہیں اور اس کو مالکِ مطلق کے حکم کے مطابق خرچ کرتے ہیں۔ قرآن کریم ہمیں بار بار اس اصول کی یاد دہانی کراتا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ اسلامی معاشی نظام دنیا اور آخرت میں انسانیت کی بھلائی کے لیے قائم کیا گیا ہے، جس میں معاشی قوانین اللہ کی طرف سے انسانیت کی آزمائش کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں۔

معاشی کساد بازاری کی وجوہات: کساد بازاری معیشت

میں ایک عام انحطاط ہے، جس کی خصوصیت اعلیٰ سطح کی بے روزگاری، عدم تحفظ، افراط زر، اور کم جی ڈی پی ہے۔ اگرچہ زیادہ تر ماہرین اقتصادیات اس بات پر متفق ہیں کہ دنیا کو گریٹ ڈپریشن کے بعد بدترین معاشی بحران کا سامنا ہے، لیکن اس کے اسباب کے بارے میں بہت کم اتفاق ہے۔ بعض ماہرین معاشیات کہتے ہیں کہ مالی عوامل کساد بازاری کا سبب بنتے ہیں اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ ایک نظامی مسئلہ ہے، جو مارکیٹ کے اندرونی عمل کا نتیجہ ہے۔

عالمی اقتصادی عوامل: عالمی اقتصادی عوامل کساد بازاری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ سود کی اعلیٰ شرح، سرمایہ کاری کے لیے دستیاب سرمایے کی مقدار کو کم کرتی ہے۔ مطلوبہ سرمایہ کار اپنی مصنوعات کے لیے مناسب منڈی کی دستیابی پر غور کرتے ہیں اور ان بلند شرحوں سے خوفزدہ ہوتے ہیں مزید برآں، عالمی تجارتی عدم توازن اور جغرافیائی سیاسی تناؤ بھی معاشی بدحالی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

مقامی معاشی بدانتظامی: رہنماؤں اور کاروباری ایگزیکٹوز کی غلط معاشی پالیسیاں بھی معاشی بحران کا باعث بن سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، کوئی ملک غلط سود اور مالیاتی پالیسیوں یا غیر متوازن سیاسی سرمایہ کاری کی وجہ سے بحران کا شکار ہو سکتا ہے۔

قرض پر مبنی معیشتوں کے اثرات: قرض پر مبنی معیشتیں خاص طور پر کساد بازاری کا شکار ہیں۔ قرض کی بلند سطح مالی عدم استحکام کا باعث بن سکتی ہے، خاص طور پر جب معاشی ترقی کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ معاشی سرگرمیوں کو ایندھن دینے کے لیے قرض پر انحصار ایک نازک معاشی ماحول پیدا کر سکتا ہے، جہاں کوئی بھی خلل ایک اہم مندی کا باعث بن سکتا ہے۔

اس مشکل کا کافی کچھ حل مقامی اور بین الاقوامی شہرت کے تجربہ کار ماہرین اقتصادیات نے تجویز کیا ہے۔ تاہم، ان میں سے بہت سے حل مصنوعی نظریات پر مبنی ہیں، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مسئلہ صرف اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے جب ہم بنیاد پر واپس جائیں۔ اور بنیاد قرآن و سنت کے سوا کچھ نہیں۔

اقتصادی بحران کے خلاف اسلامی احتیاطی تدابیر:

اسلامی معاشی اصول سود کی ممانعت اور دیگر نقصان دہ کاروباری طریقوں پر زور دیتے ہیں۔ اس کی جڑ اس یقین میں پوشیدہ ہے کہ اس طرح کے عمل معاشی عدم استحکام اور سماجی ناانصافی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اسلامی معاشی نظام کا مقصد ان نقصان دہ سرگرمیوں سے گریز کرتے ہوئے، ایک زیادہ مستحکم اور منصفانہ معیشت بنانا ہے۔

اسلامی مالیات اخلاقیات، شفافیت، حقیقی اقتصادی تعلقات، اور کاروباری خطرات کے اشتراک کو فروغ دیتا ہے۔ اسلام میں صرف حلال صنعتوں میں ہی سرمایہ کاری کی اجازت ہے، اس کی بھی متعدّد شرائط ہیں جو کافی تفصیل طلب ہیں۔ یہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ معاشی سرگرمیاں معاشرے کو نقصان نہ پہنچائیں۔ اور یہی وہ اخلاقی نقطۂ نظر ہے جو خطرات کو کم کر کے پائیدار اقتصادی ترقی کو فروغ دینے میں مدد کرتا ہے۔

اسلامی معاشی اصول و قواعد کمیونٹی کی فلاح و بہبود اور مدد پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ زکوٰۃ (خیرات) اور سماجی بہبود کی دوسری شکلیں اسلامی نظام کے لازمی حصے ہیں، جو دولت کی دوبارہ تقسیم کو یقینی بناتے ہیں تاکہ غریبوں اور مفلوک الحال حاجت مندوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ یہ ایک ایسا امدادی معاشی نظام ہے جو افراد کی اقتصادی بدحالی کے خلاف بفر کا کام کرتا ہے۔ اسلامی معاشی نظام میں، افراد، خاندان، کمیونٹیز اور حکومتیں اس طرح کے مسائل سے نمٹنے کے لیے کیے جانے والے مختلف اقدامات کی وجہ سے معاشی مسائل کا کم سامنا کرتی ہیں۔

اقتصادی کساد بازاری کا اسلامی حل: شریعت پر مبنی بینکنگ سود (ربا) کو ختم کرتی ہے اور رسک شیئرنگ کو فروغ دیتی ہے، جو مندی کے دوران معیشتوں کو مستحکم کر سکتی ہے۔ زیادہ تر اسلامی بینک منافع اور نقصان کے اشتراک کے اصولوں پر کام

کرتے ہیں۔ یہ نظام اخلاقی سرمایہ کاری کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسلامی معاشیات پائیدار اور ماحول دوست منصوبوں میں سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ سبز سرمایہ کاری نہ صرف ماحول کی حفاظت کرتی ہے بلکہ روزگار کے مواقع بھی پیدا کرتی ہے اور معاشی ترقی کو تحریک دیتی ہے۔ قلیل مدتی فوائد کے بجائے طویل مدتی فوائد پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، اسلامی مالیات پائیدار ترقی کی حمایت کرتی ہے۔

دولت کی دوبارہ تقسیم اسلامی معاشیات کا ایک بنیادی اصول ہے، جو زکوٰۃ اور صدقہ کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ طرز عمل اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ دولت کمیونٹی کے اندر گردش کرتے ہوئے غربت اور معاشی تفاوت کو کم کرتی ہے۔ زکات کے طویل مدتی سماجی اثرات انتہائی گہرے ہیں، کیونکہ یہ ذمہ داری اور کمیونٹی کی فلاح و بہبود کے احساس کو فروغ دیتا ہے۔

اسلامی معاشیات میں زکات کا نظام دولت کی تقسیم، اسلامی بینکاری، اور بحران کے جواب میں انسان دوستی پر زور دیتا ہے۔

اسلام کی معاشی کامیابی- تاریخی مثال: عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں اسلامی معاشی اصولوں کے نفاذ سے ایک قابل ذکر دور کا آغاز ہوا جب کوئی بھی شخص مستحق زکات نہیں رہا بلکہ سب صاحبِ نصاب ہو گئے تھے یہ ایسی تاریخی مثال ہے جو کمیونٹیز کو بااختیار بنانے میں دولت کی دوبارہ تقسیم اور کمیونٹی ویلفیئر کی تاثیر کو اجاگر کرتی ہے۔

مسلم ممالک میں جدید نفاذ: اس وقت کئی مسلم اکثریتی ممالک کامیابی کے مختلف درجات کے ساتھ اسلامی معاشی اصولوں کو اپنا چکے ہیں، مثال کے طور پر، ملائیشیا اسلامی مالیات کا عالمی مرکز بن گیا ہے، یہ ظاہر کرتا ہے کہ شریعت کے مطابق بینکنگ کس طرح روایتی مالیاتی نظاموں کے ساتھ ساتھ جاری رہ سکتی ہے۔ اسی طرح، انڈونیشیا اور متحدہ عرب امارات جیسے ممالک نے اسلامی مالیات کو اپنی قومی معیشتوں میں ضم کرنے میں اہم پیش رفت کی ہے۔

ایک تقابلی تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی مالیاتی نظام اکثر معاشی بدحالی کے دوران زیادہ لچک دکھاتے ہیں۔ اسلامی مالیات مساوات اور رسک شیئرنگ پر زور دیتی ہے، جس سے مالیاتی بحرانوں کے اثرات کو کم کیا جا سکتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر نہ صرف مالی استحکام کو فروغ دیتا ہے بلکہ اخلاقی سرمایہ کاری اور مالی شمولیت کی بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

اسلامی مالیاتی اداروں کا کردار: اسلامی بینک ان اصولوں پر کام کرتے ہیں جو سود سے بچتے ہیں اور رسک شیئرنگ پر زور دیتے ہیں۔ وہ مختلف مالیاتی مصنوعات پیش کرتے ہیں جیسے **مرابحہ** (لاگت سے زیادہ فنانسنگ)، مشارکہ (مشترکہ کاروبار)، اور اجارہ (لیزنگ)۔ یہ مصنوعات اخلاقی اور سماجی طور پر ذمہ دارانہ سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لیے ڈیزائن کی گئی ہیں۔

اسلامی مائیکرو فنانس کا مقصد پسماندہ افراد کو مالی خدمات فراہم کرنا، مالی شمولیت اور کمیونٹی کو فروغ دینا ہے۔ یہ بغیر سود کے چھوٹے قرضے فراہم کرنے پر توجہ مرکوز کرتا ہے، جو غربت کو کم کرنے اور کاروبار کو فروغ دینے میں مدد کر سکتا ہے۔

چیلنجز اور مواقع: دیکھا جائے تو اسلامی مالیاتی اداروں کو کئی چیلنجز کا سامنا ہے، تاہم، اخلاقی اور پائیدار مالیاتی مصنوعات کی بڑھتی ہوئی مانگ توسیع اور اختراع کے لیے اہم مواقع پیش کرتی ہے۔

اسلامک فنانس عالمی مالیاتی صنعت کے تیزی سے ترقی کرنے والے شعبوں میں سے ایک ہے۔ کچھ ممالک میں، یہ منظم طور پر اہم ہو گیا ہے اور بہت سے دوسرے ممالک میں، یہ اتنا بڑا ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مستقبل کے امکانات: اسلامی معاشیات، معاشیات اور انسانی معاشرے کے مسائل کے حل لیے ایک نئے نقطہ نظر کی نمائندگی کرتی ہے، کیوں کہ یہ ایک الگ عالمی نظریہ اور انسان، معاشرے اور تاریخ کے ایک وژن پر مبنی ہے۔ ایک معروف

پاکستانی نژاد مسلم اسکالر کا کہنا ہے کہ موجودہ معاشی بحران کے حل کے طور پر اسلامی معاشیات جمود کو برقرار رکھنے کا نہیں بلکہ معیشت اور معاشرے کی تبدیلی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اسلامی معاشی اصولوں کو عالمی سطح پر اپنانے سے دنیا بھر میں زیادہ پائیدار اور اخلاقی مالیاتی نظام قائم ہو سکتے ہیں۔

جدید معیشتوں کے ساتھ انضمام: توانائی کے منصوبوں میں سرمایہ کاری کر کے، اسلامی معاشیات پائیداری کو فروغ دے سکتی ہے اور عالمی کساد بازاری سے پیدا ہونے والے چیلنجوں سے بھی نمٹ سکتی ہے۔ معیشت میں اسلامی معاشی اصولوں کا انضمام مثبت ماحولیاتی اور اقتصادی نتائج کے لیے نمایاں صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلامی بینکوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے کہ وہ شریعت کے مطابق پوزیشن سے شریعت پر مبنی پوزیشن پر منتقل ہو جائیں، ایسی حکمت عملی جو انھیں قرض پر مبنی معیشت سے ایک قابل عمل متبادل کی طرف جانے کے قابل بنائے گی۔

سچ اور حق تو یہ ہے کہ اسلامی معاشی اصول اقتصادی کساد بازاری کے بار بار آنے والے مسئلے کا ایک جامع اور متوازن حل پیش کرتے ہیں۔ قرآن، حدیث اور سنت کے اصول و ضوابط اخلاقی طرز عمل، سماجی انصاف، اور نقصان دہ اقتصادی سرگرمیوں کی ممانعت پر زور دیتے ہیں۔ اگر ہم دولت کو خدا کی امانت سمجھ کر اس کے حلال حصول اور تقسیم کو یقینی بنالیں تو بے شک ایک بہترین معاشی نظام اور متوازن لچک دار معیشت کو فروغ مل سکتا ہے۔ ہمارے اسلاف اور علما کی بصیرت اور اسلامی تاریخ کی عملی مثالیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ ان اصولوں پر عمل کرنے سے معاشی بحرانوں کو مؤثر طریقے سے کم کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسلامی معاشی اصولوں کو اپنانا ہی پائیدار اقتصادی استحکام اور خوشحالی کے حصول کے لیے ایک قابل عمل راستہ ہو سکتا ہے۔

■■■

(ص:34 کا بقیہ)ترجمہ : نبی ﷺ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے آپ نے فرمایا کہ طبیب کو بلا کر انھیں دکھاؤ۔ ایک شخص نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ! آپ فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں (راوی حضرت عمرو بن دینار۔ الجوزی طب نبوی)

طب نبوی کو دوا کی تاریخ میں ایک نیا موڑ کہا جاسکتا ہے اور طبعی علاج کرانا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے'۔ ایک عالم نے یہ بھی لکھا ہے کہ صرف دوا کرنا یا صرف دعا کرنا دونوں ہی طریقے حق وصواب سے ہٹے ہوئے ہیں اور کتاب وسنت کی تعلیم سے دور ہیں۔ نبی ﷺ نے دونوں علاج ایک ساتھ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی اور مفہوم نہ تو طب کی کتاب کے ہیں اور نہ ہی اس سے مراد کسی طبی نسخہ سے ہے۔ لہٰذا اس کا موازنہ موجودہ طبی علم سے کرنا یا قدیم طبی کتابوں سے اس کا مقابلہ کرنا ایک نامناسب طریق کار ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اسلامی انقلاب صرف ایک دینی انقلاب نہیں ہے بلکہ یہ دنیاوی انقلاب بھی ہے یا یوں کہا جائے کہ یہ ایک ہمہ جہتی انقلاب تھا جس کا مقصد پورے نظام زندگی میں تبدیلی لانا تھا اور طب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی مقصد کا ایک حصہ ہے۔ اس طرح طبی انقلاب کو اسلامی انقلاب کا ایک حصہ مانا جاسکتا ہے اور اس سچائی سے طب کی تاریخ پر نظر رکھنے والے لوگ بخوبی واقف ہیں۔

طب نبوی اصل میں نام ہے ایک پیغام کا جو طب کے سلسلہ میں ذہنوں کو جھنجھوڑتا ہے۔ طب نبوی نام ہے اس ہدایت کا جو ہمیں دوا اور دعا کی ضرورت سمجھانے کے لیے دی گئی۔ طب نبوی نام ہے ایک نصیحت کا ان لوگوں کے لیے جو علاج و معالجہ میں روحانی علاج کے نام سے غلط روایات کا شکار رہتے ہیں۔ طب نبوی ایک فہمائش ہے ان حضرات کے لیے جو مرض کو تقدیر الٰہی سمجھ کر علاج و دوا کو گناہ سمجھتے ہیں۔ طب نبوی نام ہے اس حکم کا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو طب کے میدان میں نئی راہیں تلاش کرنے کے لیے دیا۔ ■■

نقد و نظر

اہلِ سنت کی آواز کا خصوصی شمارہ حمد و نعت

تبصرہ نگار: مہتاب پیامی

سلسلۂ برکاتیہ کا شمار ہندوستان کے اہم سلسلوں میں ہوتا ہے۔ خانقاہ برکاتیہ کے اکابر میں دسویں صدی ہجری کا ایک اہم نام میر سید عبدالواحد بلگرامی ہے۔ انھوں نے اپنے عہد میں بدعات و منکرات سے اسلام کی حفاظت فرمائی۔ اس باب میں ان کی کتاب سبع سنابل شریف آج بھی رہ برو رہ نما کی حیثیت رکھتی ہے۔ خانقاہ مارہرہ کے پہلے بزرگ سید میر عبدالجلیل بلگرامی قدس سرہ ہیں، آپ نے بلگرام سے ہجرت کر کے قصبہ مارہرہ میں سکونت اختیار کی، آپ کے صاحب زادے حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی کی ذات علوم شریعت و معرفت کا مرجع البحرین تھی، عشقی مارہروی عربی، فارسی، ہندی اور برج بھاشا کے زبردست شاعر تھے دیوان کے علاوہ کئی تصانیف عقائد وسلوک کے عنوانات پر بھی ہیں۔

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ ہر دور میں خانقاہ برکاتیہ نے ایسے ایسے لعل و گہر پیدا کیے جن سے اشاعت اسلام کے ساتھ ہی سلسلۂ قادریہ میں توسیع ہوئی۔ وابستگان سلسلہ نے ہر دور میں طالبانِ حق کی رہنمائی فرمائی۔ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کا سلسلہ تو آج تک جاری وساری ہے۔

آج کے اس پر آشوب دور میں خانقاہ برکاتیہ سے شائع ہونے والا مستقل کتابی سلسلہ ”اہل سنت کی آواز“ زبان و ادب کی جو خدمات انجام دے رہا ہے وہ آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس وقت ہمارے مطالعہ کی میز پر اس کا خصوصی شمارہ ”حمد و نعت“ موجود ہے جو 29 ویں جلد کی اشاعتِ جدید ہے اور جمادی الاولیٰ 1446ھ/نومبر 2024ء میں شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی ہے۔ اس کے ناشر ہیں: خانقاہ برکاتیہ بڑی سرکار، مارہرہ شریف، ضلع ایٹہ، اترپردیش۔

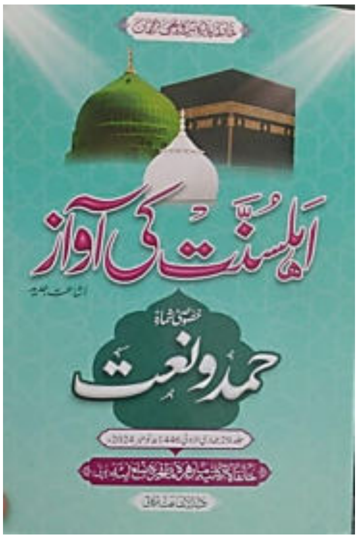

یہ خصوصی شمارہ تاج العلما سراج العرفا حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہ، سید العلما سراج الاولیا حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں قدس سرہ، احسن العلما سراج الاصفیا حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ، شفیق ملت حضرت سید حسین میاں زیدی قادری برکاتی قدس سرہ، فضل ملت حضرت سید محمد افضل میاں قادری برکاتی قدس سرہ کی یادگار اور حضور احسن العلما سراج الاصفیا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہ سے منسوب ہے اور حضرت قدس سرہ کے ہی اشارۂ باطنی پر اس شمارے کی اشاعت عمل میں آئی ہے۔

مدیر اعلیٰ ہیں حضرت سید نجیب حیدر نوری میاں مدظلہ العالی اور مدیر کی حیثیت سے ڈاکٹر سید محمد عثمان قادری برکاتی کا اسمِ گرامی نمایاں ہے۔ مجلسِ ادارت میں سید محمد امان میاں قادری

برکاتی، ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی قادری برکاتی اور سید حسن حیدر برکاتی بھی شامل ہیں جب کہ مجلسِ مشاورت کے شرکا حضرت امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی اور شرفِ ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی ہیں۔

632 صفحات پر مشتمل یہ اس کتاب کو 6 ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

1-گوشۂ مضامین: اس میں ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، سید صبیح رحمانی، ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی، علامہ محمد عبد المبین نعمانی، مولانا توفیق احسن برکاتی، مفتی محمد ممتاز مصباحی، مولانا نفیس احمد مصباحی، پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید، پروفیسر قمر الہدیٰ فریدی، ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی، مولانا ارشاد عالم نعمانی، پروفیسر سید سراج الدین اجملی، مفتی محمد سلیم بریلوی، ڈاکٹر حامد رضا صدیقی اور حافظ افتخار احمد قادری کے تنقیدی، تحقیقی اور تجزیاتی مضامین شاملِ اشاعت ہیں۔ یہ گوشہ ابتدا سے ص:468 تک وسعت رکھتا ہے۔ اس میں ص:106 تک حمدیہ ادب سے متعلق مضامین اور اس کے بعد نعتیہ ادب کا احاطہ کرتی ہوئی عمدہ ترین تحریریں شامل ہیں۔

2-گوشۂ حمد میں حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ، سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ، احسن مارہروی علیہ الرحمہ، علامہ حسن رضا خاں علیہ الرحمہ، حضرت نظمی میاں علیہ الرحمہ، حضرت شرف ملت مدظلہ، اسید الحق محمد عاصم القادری، مفتی احمد یار خاں نعیمی، عرفان صدیقی، امیر مینائی، بیدم وارثی، ڈاکٹر اقبال، اسماعیل میرٹھی، بیکل اتساہی، مظفر وارثی، نشتر خانقاہی، جگن ناتھ آزاد، راہی فدائی، شہزاد مجددی، صبیح رحمانی قتیل شفائی، کرشن بہاری نور، ابرار کرت پوری، مضطر خیر آبادی کے حمدیہ کلام پیش کیے گئے ہیں۔

3-گوشۂ نعت کے تحت عربی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہما، امام شرف الدین محمد بن سعید بوصیری رحمہ اللہ، حضور صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ اور حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہما کے نعتیہ قصائد کی شمولیت ہے۔

4-فارسی نعتیں: اس عنوان کے تحت حضرت خواجہ نظام الدین اولیا، ملا عبد الرحمٰن جامی، حضرت امیر خسرو اور مرزا اسد اللہ خاں غالب کے نعتیہ افکار آنکھوں کو نور اور دل و جاں کو سرور عطا کر رہے ہیں۔

5-اردو نعتیں کے دامن میں غالب، شاہ فضل رسول بدایونی، حضرت نوری میاں، مولانا شاہ عبد القادر بدایونی، امام احمد رضا فاضل بریلوی، سید شاہ علی حسین اشرفی میاں، حضور تاج العلما، سید العلما، احسن العلما حضرت حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند نظمی مارہروی، شاہ عبد الحمید سالم القادری، حضور تاج الشریعہ، مولانا اسید الحق قادری، حضرت شرف ملت، ڈاکٹر اقبال، مولانا کافی، بہادر شاہ ظفر، آسی غازی پوری، مولانا احمد یار خاں نعیمی، علامہ ارشد القادری، مظفر وارثی وغیرہ جواہر پارے بھرے ہوئے ہیں۔

6-گوشۂ کوائف میں جامعہ احسن البرکات کے کوائف، امین ملت کے سفر بغداد، دیگر دینی و تبلیغی اسفار، کوائف خانقاہ برکاتیہ اور مشاعرہ عرس نوری کی روداد شاملِ اشاعت ہے۔

دیکھا جائے تو یہ پورا مجموعہ مضامین و اشعار قابلِ مطالعہ اور ادبی و تاریخی مرقع ہے۔ اس کی اشاعت کے پس منظر و پیش منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے مدیر محترم حضرت سید نجیب حیدر نوری میاں قبلہ صفحہ 12 پر لکھتے ہیں:

"یہ بات ہمارے لیے باعث سعادت ہے کہ اراکین خانقاہ برکاتیہ اس مرتبہ حمد و نعت پر مبنی خصوصی شمارہ منظر عام پر لا رہے ہیں اور یہ سعادت آثار کام والد ماجد حضور احسن العلما قدس سرہ کے اشارہ باطنی کے سبب ہو رہا ہے جس کا پس منظر یہ ہے کہ حضور والد ماجد نے برادر مکرم حضرت شرف ملت کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ حمد و نعت پر "اہل سنت کی آواز" کا "حمد و نعت" شمارہ نکالو۔ لہٰذا انھوں نے اس خواب کا اظہار حضرت

امین ملت مدظلہ العالی سے فرمایا، لہذا ابر کاتیوں کے ذوق مطالعہ کی نذر یہ شمارہ کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ اس موضوع پر انواع و اقسام کے خصوصی شمارے پہلے بھی منظر عام پر آچکے ہیں لیکن ہم نے کوشش کی ہے کہ اس حوالے سے مضامین میں تنوع پیدا کریں ۔ لہذا عربی فارسی اور اردو نعتیہ ادب سے متعلق نئے مضامین بہت ہی مفید ہاتھوں سے لکھائے جانے کی کوشش ہم خادمان خاندان برکات نے کی ہے۔ ساتھ ہی کچھ منتخب اور معروف شعرا کے نعتیہ کلام بھی احباب کے ذوق مطالعہ کی نذر کرنے کی کوشش کی ہے، امید ہے آپ کو پسند آئے گا۔“

گوشہ مضامین میں پہلا مضمون ”اردو میں حمدیہ شاعری: تاریخ وارتقا“ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط صدر اردو لسانی کمیٹی، بال بھارتی، پونہ کی تحقیقی فکر کا مرقعِ دلنواز ہے، یہ اصل مضمون کی تلخیص ہے جسے ڈاکٹر عامل رحمانی نے قلم بند کیا ہے۔

ڈاکٹر نشیط نے اردو شاعری کی مختصر تاریخ پیش کر دی ہے اور اسی تاریخ بیانی کی ضمن میں حمدیہ شاعری کی مبسوط تاریخ بھی بیان فرمائی ہے ، تحقیقی اسلوب کی حامل اس تحریر میں ڈاکٹر نشیط اردو کے شعری ادب کی سات سو سالہ تاریخ کے دورانیے کا بڑی خوبی سے بیان کرتے ہیں، انتہائی سلیس اور دل آویز انداز میں انھوں نے اس خشک موضوع میں چاشنی انڈیل کر رکھ دی ہے۔

اس کے معًا بعد دوسرا مضمون جو شاملِ اشاعت ہے وہ سید صبیح رحمانی مدیر نعت رنگ کراچی کا ہے، اس مضمون کی تلخیص بھی ڈاکٹر عامل رحمانی نے ہی فرمائی ہے۔

سید صبیح رحمانی اس وقت نعتیہ ادب میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ پاکستان تعلق رکھنے ہیں، مشہور و معروف نعت گو شاعر اور محقق و نقاد کی حیثیت سے دنیا بھر میں اپنی ایک الگ شناخت انھوں نے قائم کی ہے۔ نعتیہ ادب کے تحقیقی، تنقیدی اور علمی جریدہ ”نعت رنگ“ مدیر اور نعت کی تحقیق کے لیے قائم کیے گئے ادارے ”نعت ریسرچ سینٹر“ کے بانی و سیکریٹری ہیں۔

اس کے علاوہ ”ادارہ یادگار غالب“ پاکستان کے صدرِ اعلیٰ بھی ہیں۔ نعتیہ ادب میں گراں قدر خدمات کے پیشِ نظر حکومتِ پاکستان انھیں ”تمغۂ امتیاز“ سے بھی نواز چکی ہے۔

آپ کی علمی و قلمی خدمات کا دائرہ انتہائی وسیع و عریض ہے، آپ نے مذہبی اصنافِ سخن کی تحقیق و تنقید کے حوالے سے اب تک جو کچھ بھی لکھا ہے وہ سب اکیڈمک حیثیت کا حامل ہے۔

زیرِ تبصرہ خصوصی شمارہ ”حمد و نعت“ میں آپ کے مقالے کا عنوان ہے:

”اردو کا حمدیہ ادب -ایک اجمالی جائزہ“ اس مضمون میں انھوں نے انتہائی حساس سوال اٹھایا ہے اور کما حقہ اس کا جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے اور جہاں تک ہم سمجھتے ہیں ان کا یہ انداز فکر بالکل درست ہے۔ ”اردو کے حمدیہ ادب کا ذخیرہ فکری و فنی لحاظ سے لائق افتخار ہے یا نہیں ؟ ایسے پر آشوب دور میں یہ سوال قائم کرنا جب ہر شخص بزعمِ خود میر و غالب بنا پھرتا ہو، بڑا جرأت کی بات ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں کہ سید صبیح رحمانی نے کیا فرمایا:

”یہاں ایک سوال ہماری توجہ چاہتا ہے، وہ یہ کہ اردو کے حمدیہ سرمایۂ شعری کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فکری و فنی ہر دو لحاظ سے یہ ذخیرۂ ادب و شعر لائق افتخار ہے ؟ یہ ایک بے حد سنجیدہ اور اہم سوال ہے۔ اس پر غور کرنا اس لیے بھی ضروری ہے تا کہ حمد بحیثیت صنف ادب حمد باری تعالیٰ کے بارے میں کسی رو رعایت کے بغیر ہم یہ طے کر سکیں کہ ہمارے یہاں اس حوالے سے کیا کام ہوا ہے، یہ کام کتنا اور کس درجے کا ہے۔ تاہم اس سوال پر غور کرتے ہوئے پہلے ہمیں یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ عالمی ادب میں حمدیہ کلام کی صورت حال کیا رہی ہے ؟ یوں تو یہ ایک نہایت تفصیل طلب کام ہے، لیکن سر دست ہمیں پورے پورے دفتر کھنگالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اجمالی نگاہ بھی اس سلسلے میں ایک تاثر اخذ کرنے میں مدد و معاون ہوگی۔ دنیا کے قدیم ترین ادب کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی معاشرہ

اور تہذیب ایسی نہیں، جس میں معتد بہ ذخیرہ حمد یہ ادب کا نہ ملتا ہو۔ چین، یونان، ہندوستان اور مصر سے لے کر ایران اور عرب تک حمد نگاری کی ایک دیرینہ روایت ہمارے سامنے آتی ہے۔ ظاہر ہے اس میں موضوعات ، مضامین، اسلوب اور آہنگ کا فرق تہذیبوں کے اپنے اپنے مزاج کے مطابق ملتا ہے۔ تاہم یہ طے ہے کہ عہد قدیم سے عصر حاضر تک کسی زبان و ادب میں حمد کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ نظر انداز کرنے کا تو سوال ہی کیا، بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ پہلے زمانے کے شعرا کے پاس سب سے اہم موضوع ہی وہ تھا جس میں وہ اپنے خالق و رازق کی ثنا کرتے ، اس سے ہم کلام ہوتے یا مناجات کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے پروردگار کو پہچاننا اور اس سے اپنے ربط و تعلق کا اظہار کرنا دراصل ازل سے اس عہد تک انسانی فطرت کی طلب اور اس کی روح کا تقاضا رہا ہے۔ جہاں تک بات ہے کلام کے معیار کی تو اس حوالے سے کہا جائے گا کہ بلند فکری سطح کا سرمایۂ شعر، عام طور سے کم ہی ملتا ہے۔ زیادہ مقدار میں وہی کلام ملتا ہے جس میں اوسط درجے کے جذبات واحساسات سے کام لیا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں عوامی سطح کی ترجمانی کی گئی ہے۔"(ص:50-51)

عصر حاضر میں نعت گو شعرا کی حمد یہ خدمات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"جہاں تک عصر حاضر کا تعلق ہے، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے عہد کے جن شعرا نے نعت گوئی کو اختیار کیا ان کی توجہ حمد نگاری کی طرف بھی مبذول ہوئی۔ علاوہ ازیں نعت گوئی کے فروغ کے لیے قائم اداروں نے بالخصوص نعتیہ مشاعروں کے ساتھ ساتھ حمد یہ مشاعروں کا اہتمام بھی کیا جس کے نتیجے میں شعرا کے ایک بڑے طبقے نے ان مشاعروں میں مسلسل شرکت کے باعث حمد کا قابل قدر تخلیقی سرمایہ جمع کر لیا اور اسی سرمایے کو مجموعہ ہائے حمد کی شکل میں پیش کرنے کے رجحان نے زور پکڑا ہے۔ ان اداروں میں مجلس احباب ملت کراچی، حمد و نعت ریسرچ سینٹر کراچی، دبستان وارثیہ کراچی اور حمد و نعت اکیڈمی نئی دہلی، محفل نعت اور بزم حمد و نعت اسلام آباد جیسے کئی ادبی اداروں کی کاوشیں لائق ستائش ہیں۔ شعر وادب کے جو خزینے ہمیں اپنے متقدمین کی میراث کے طور پر ملے ہیں حمد کا رنگ و آہنگ تو اس میں بھی بہت نمایاں تھا۔ عربی و فارسی کے تناظر میں دیکھا جائے تو حمد کی ایک توانا روایت شعر وادب کا حصہ رہی ہے۔ اردو میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ابتدائی دور سے تا حال بیشتر شعرا نے اپنے دواوین کا آغاز حمد ہی سے کیا ہے، یہی نہیں، بلکہ اردو زبان وادب پر مسلم تہذیب کے گہرے اثرات کے باعث غیر مسلم شعرا کے ہاں بھی حمد نگاری کا ایک توانا رجحان دیکھا جا سکتا ہے۔"(ص:53-54)

حمد کے شعبے میں اب تک ہونے والے کاموں کا ایک اشاریہ اور کوائف بھی صبیح رحمانی صاحب نے اپنے مقالہ میں پیش کیا ہے، انھوں نے مختلف رسالوں کے خصوصی شماروں اور مجموعہ ہائے کلام کے مختصر مختصر تعارفات پیش کیے ہیں، ہم یہاں صرف ان رسالوں اور کتب کے اسما درج کریں گے تاکہ ہمارے قارئین کو بھی کچھ اندازہ ہو سکے کہ حمد نگاری کی دنیا میں اب تک کیا کیا ہو چکا ہے اور یہ بھی سمجھ میں آسکے کہ آئندہ کیا کچھ ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے۔

رسائل و جرائد کا جو تعارف صبیح رحمانی نے پیش فرمایا ہے ان کا اجمالی تذکرہ حسب ذیل ہے:

- ماہ نامہ نعت لاہور، حمد باری تعالیٰ نمبر (جنوری 1988)
- سہ ماہی کاروانِ ادب لکھنؤ، پہلا شمارہ (1990)
- ماہ نامہ "تحریریں" لاہور، حمد باری تعالیٰ نمبر (1991)
- سہ ماہی "مفیض" گوجرانوالہ، حمد نمبر (1997، 2003)
- کتابی سلسلہ "جہانِ حمد" کراچی (1988)
- "خیال و فن" لاہور، حمد باری تعالیٰ نمبر (1999)
- کتابی سلسلہ "نعت رنگ" کراچی، حمد نمبر (1999)

- ”نقوش“ قرآن نمبر، جلد چہارم میں گوشۂ حمد (2001)
- ماہ نامہ ”نعت“ لاہور، حمد خالق (2003)
- ماہ نامہ ”ارمغانِ حمد“ کراچی۔
- سہ ماہی ”عقیدت“ سرگودھا (2004)
- ماہ نامہ ”قرطاس“ ناگ پور، حمد و مناجات نمبر (2006)
- ”جہانِ نعت“ حمد و مناجات نمبر (2013)
- ہفت روزہ ”دھوم“ گوجرانوالہ، حمد نمبر (2018)

رسائل و جرائد کے حمد نمبر کی تفصیلات کے بعد حمدیہ ادب پر شائع ہونے والی چند کتابوں کا ذکر اور ان پر مختصر تبصرے بھی شاملِ مقالہ ہیں۔ ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

- اردو میں حمد و مناجات: ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط
- اردو میں حمد گوئی، چند گوشے: پروفیسر شفقت رضوی
- اردو حمد کی شعری روایت: صبیح رحمانی
- تحمید و تحسین: پروفیسر محمد اقبا جاوید
- خوشبوے حمد: ڈاکٹر احسان اللہ طاہر
- اردو غزل میں نعتیہ و حمدیہ عناصر: محمد کاشف ضیا
- حمدیہ شاعری کی متنی وسعتیں: ڈاکٹر عزیز احسن
- حمدیہ تذکرہ نگاری-اذانِ دیر: طاہر سلطانی
- حریم ناز میں صداے اللہ اکبر: طاہر سلطانی
- اردو حمد کا ارتقا: طاہر سلطانی
- گلشن احمد: طاہر سلطانی
- گلبانگ وحدت: نور احمد میرٹھی

ان کے علاوہ کچھ تحقیقی مقالات کی فہرست بھی صبیح رحمانی نے پیش کی ہے۔ اگر یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مختصر میں انھوں نے گذشتہ چار پانچ دہائیوں کے حمدیہ ادب کی تاریخ کا خلاصہ انتہائی ادیبانہ انداز میں پیش فرمادیا ہے۔

یہ فہرستیں اور مختصر تبصرے جو انھوں نے پیش کیے وہ اگرچہ مکمل تو نہیں کہی جاسکتے لیکن یہ ضرور ہے کہ نصف صدی کی ادبیاتِ حمد کا احاطہ ضرور کرتی ہیں۔ ہم مبارک باد پیش کرتے ہیں اس کامیاب مقالے کے لیے سید صبیح رحمانی کو۔

تیسرا مقالہ ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی کے قلمِ گوہر قم کا شاہکار ہے۔ عنوان ہے: ”اردو حمدیہ شاعری میں صنائع بدائع“۔

جیسا کہ ہم اور آپ جانتے ہیں علمِ بدیع میں صنائع معنوی اور لفظی بیان کیے جاتے ہیں اگرچہ یہ صرف آرائش سخن کے لیے ہوتے ہیں، باوجود اس کے برمحل استعمال سے کلام میں معنی خیزی اور لطافت پیدا ہوجاتی ہے، اگر بے تکلفی کے ساتھ یہ صنائع کلام میں در آئیں تو حسن کلام کا سبب بن جاتے ہیں۔

صنائع کی دو اقسام ہیں: صنائع معنوی اور صنائع لفظی، ان دونوں کی کئی ذیلی اقسام بھی ہیں جن کا تذکرہ کتبِ علمِ بدیع میں تفصیل سے مل جائے گا۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد حسین مُشاہد رضوی لکھتے ہیں:

”صنائع و بدائع شاعری کے حسن و زیور ہیں۔ اس سے کلام میں حُسن اور لطف کی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو لوازم شاعری میں شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ صنائع و بدائع کا استعمال بڑی سلیقہ مندی کا متقاضی ہے۔ حد اعتدال سے زیادہ اس کا استعمال کلام میں حُسن و خوبی کے بجائے بے کیفی اور عیب جوئی کی کیفیت پیدا کردیتا ہے۔ حضرت مولوی نجم الغنی رام پوری نے اپنی تصنیف ”بحر الفصاحت میں ستاون صنائع لفظی اور چون صنائع معنوی یعنی کُل ایک سو گیارہ صنعتیں شمار کی ہیں۔ عصر جدید کے شعرا ان صنعتوں کا استعمال شاذ و نادر ہی کر رہے ہیں۔ راقم نے 2005 میں ”اردو کی دل چسپ اور غیر معروف صنعتیں“ نامی ایک رسالہ مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ جسے اہل علم نے کافی سراہا؛ مذکورہ رسالہ میں اردو کی غیر معروف بلکہ ناپید اور متروک صنعتوں سے کُل چالیس صنعتیں مع تمثیلات و توضیحات پیش کی گئی تھیں۔“ (ص:71)

اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے انھوں نے لکھا:

”اصناف غزل وقصیدے میں صنائع وبدائع کے استعمال کی بڑی گنجائش ہے کیوں کہ اس میدان میں مبالغہ اور غلو پر کوئی پابندی یا قدغن نہیں ہے۔ لہذا شعرا صنائع و بدائع کے استعمال کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ غزل اور قصیدہ میں صنائع بدائع کا استعمال آسان ہے۔ جب کہ حمد و نعت کے تنگ نائے میں اس کا استعمال بے حد دشوار اور مشکل ترین امر ہے۔ اس لیے کہ یہاں غلو اور مبالغہ کا ہرگز گزر نہیں۔ البتہ حمد میں صنعت تاریخ، صنعت تلمیح، لف و نشر مرتب وغیر مرتب، مراعاۃ النظیر، صنعت اقتباس (قرآن وحدیث کے حوالے یا اشارے وغیرہ) خاص طور سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے استعمال کے لیے بھی شعری تجربہ اور سلیقہ درکار ہے۔

دراصل عصر موجودہ کی شاعری میں بیان وبدیع نیز بہت سے فنی اور عروضی اصولوں اور نزاکتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی جاتی اور نہ ہی شعرا ان فنون اور آدابِ شاعری سے واقفیت کو ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں لیکن بیسویں صدی کے کم سے کم نصفِ اول تک ان باریکیوں اور فنی قیود و آداب پر توجہ ضروری سمجھی جاتی تھی۔“(ص:71-72)

آگے انھوں نے صنائع کا ذکر و تعارف اور ان کے برمحل استعمال کی مثالیں حمدیہ ادب سے پیش کی ہیں۔ مجموعی اعتبار سے ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ لائق مطالعہ اور عام قارئین کی معلومات میں اضافے کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور مقالہ ”نعت کا ہیئتی اور صنفی تنوع“ کے عنوان سے ڈاکٹر مشاہد صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے ارباب علم و ادب کی گراں قدر آرا پیش کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف اصناف سخن میں نعتیہ افکار کا انتہائی حسن و خوبی کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔

مولانا توفیق احسن برکاتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قابلِ ذکر استاذ، بہترین قلم کار اور عمدہ ترین نعت نگار ہیں۔ آپ کی تحریریں ہند و پاک میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے۔ خصوصی شمارہ ”حمد و نعت“ کے لیے انھوں نے ”نعت خوانی کے اقدار و آداب“ تحریر فرمائے ہیں۔ آج ہمارے اسٹیجوں سے کس انداز میں نعت خوانی کی جا رہی ہے اور ضرورت کس بات کی ہے؟ ان تمام باتوں کو انھوں نے انتہائی سنجیدہ لب و لہجے میں سپردِ قرطاس فرمایا ہے۔ حالاتِ حاضرہ کے پیشِ نظر یہ مضمون کافی اہم ہے اور بلا مبالغہ آج اس قسم کی تحریروں کی کافی ضرورت بھی ہے۔ اہمیت کے پیشِ نظر ہی آپ کا یہ مضمون ماہ نامہ اشرفیہ مارچ 2025ء میں بھی شائع کیا گیا ہے۔ انھوں نے آداب و اقدار کا تذکرہ فرمایا آج ہر ذی ہوش اس کی تائید ہی کرے گا، علاوہ ازیں انھوں نے جو یہ فرمایا کہ ”منتظمین جلسہ پر لازم ہے کہ وہ شریعت کا پابند خطیب مدعو کریں اور باشرع نعت خواں بھی، فقط شہرت یافتہ اور خوش آواز نعت خواں یا شاعر نہ بلائے جائیں، یہ مذہبی جلسوں کے تقدس کو پامال کرنا ہے جس کی قطعہ طور پر اجازت نہیں دی جا سکتی ہے۔“

ہم آپ کے اس قولِ فیصل پر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور پرزور الفاظ میں اس کی تائید کرتے ہیں۔

عام طور پر ادب کو سماج کا آئینہ قرار دیا جاتا ہے۔ ادب صرف وہی بیان نہیں کرتا ہے جو سماج میں ہوتا ہے، بلکہ وہ سماج پر اثرانداز بھی ہوتا ہے، سماج کی کمزوریاں، اور خرابیاں بھی اجاگر کرتا ہے اور اسے ارتقا کی طرف بھی لے جاتا ہے۔ جس طرح موضوعات غزل و نظم سماج پر اثرانداز ہوتے ہیں اسی طرح حمد و نعت کے مضامین کا بھی معاشرے اور سماج کے فکر و شعور پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

مثال کے طور پر ہم مبارک پور کا ذکر کرنا چاہیں گے جہاں نعت و حمد کا دیرپا اثر دیکھنے کو مل سکتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی شب ایسی نہیں گزرتی جب کہیں نہ کہیں حمد و نعت کی محفل نہ آراستہ نہ ہوتی ہو، لوگ ذوق و شوق سے ان محفلوں میں

شریک ہوتے ہیں، اپنی معلومات میں اضافہ بھی کرتے ہیں اور حمدیہ ونعتیہ ادب کے اثرات کو دل میں جما کر رکھتے ہیں۔

ابوالحسنات مفتی محمد ممتاز عالم مصباحی کی ایسے ہی اثرات کا تذکرہ کرتی ہوئی ایک تحریر "حمد و نعت کا سماج پر اثر" اس خصوصی شمارے میں شاملِ اشاعت ہے۔ آپ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"انسان اپنی فطرت اور طبع کے اعتبار سے ترنم، پسند واقع ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ سے دونوں کے جب کوئی بات نثر میں کہی جاتی ہے خواہ وہ کتنی اہم کیوں نہ ہو، لیکن لوگ اس کو سننے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتے اور نہ اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جب یہی بات نظم و ترنم میں کہی جاتی ہے تو لوگ اس کو سننے میں دلچسپی لیتے ہیں اور اس سے اثر بھی قبول کیا کرتے ہیں۔ نثر کے مقابلے میں نظم کی اسی اثرانگیزی کے تناظر میں سماج پر مرتب ہونے والے حمد و نعت کے اثرات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جی ہاں! سماج اور معاشرہ پر حمد و نعت کے بہت ہی گہرے اور دیرپا اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیوں کہ ان کے ذریعے لوگوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح کر کے انھیں سچا پکا سنی اور صالح مسلمان بنانے کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے اور معاشرے سے برائیوں کو دور کر کے اسے ایک صالح اور مثالی معاشرہ بنانے کا کام کیا جاتا ہے۔

حمد و نعت کے ذریعے فرد اور سماج کی اصلاح کا گراں قدر فریضہ انجام دینا اس لیے ممکن ہوتا ہے کہ ان میں خالق کائنات و مالک ہفت آسمان و زمین اللہ جل شانہ و عزاسمہ اور اس کے محبوب دانائے غیوب خاتم پیغمبراں، سرور جن و انسان، محسنِ انسانیت، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ، طٰہٰ و یٰسین ارواحنا فداہ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کرنے اور ان کی عظمت و بزرگی کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات پر بھی اچھی روشنی ڈالی جاتی ہے۔" (ص:157-158)

حق اور سچ تو یہ ہے کہ حمد نعت پڑھنے یا سننے سے انسان کی روحانی حالت میں بہتری پیدا ہوتی ہے، اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا جذبۂ فرواں دلوں کو منور و مجلیٰ کرتا ہے اور انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ تعلیٰ کے احکام اور رسولِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنی زندگی کو مزید بہتر بنا سکتے ہیں، یقیناً ایک طرح کی عبادت ہے، جو دل کو سکون اور اطمینان عطا کرتی ہے۔

حمد و نعت ذہنی انتشار سے نجات کا ذریعہ بھی ہیں اور انسانی فکر و مثبت رخ پر رکھنے میں ہمیشہ مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مخصوص لب و لہجے اور الفاظ کی دل آویز ردم کے ساتھ کہے گئے اشعار انسان کے اندر خوشی اور محبت کی ایک نئی لہر پیدا کرتے ہیں اور خوشی کا یہ دورانیہ انسان کو اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آنے کی تحریک دیتا ہے۔

ایسا نہیں کہ نعت کا اثر شخصی اور انفرادی ہی ہو، بلکہ یہ معاشرتی سطح پر بھی محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جب لوگ حمد و نعت پڑھتے ہیں یا سنتے ہیں تو یہ ان کے درمیان محبت، بھائی چارے، اور اتحاد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس قسم کی تقدیسی محفلیں لوگوں کو ایک مقام پر جمع اور اتحاد و یگانگت کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ ان تقدیسی اصناف میں پوشیدہ پیغام اخلاقی تربیت کا فریضہ بھی انجام دیتا ہے، قرآن و سنت کے احکام اور نبی کی تعلیمات کو ان اصناف کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے، جس کے سبب انسان کو سچائی، انصاف، اور محبت کی راہ پر چلنے کی ترغیب ملتی ہے۔

حمد و نعت یہ دونوں اسلامی تاریخ و تہذیب اور تمدن و ثقافت کا اہم حصہ ہیں، مختلف زبانوں اور لہجوں میں لکھی اور پڑھی جاتی ہیں جن کے سبب اسلام کی عالمگیریت کا احساس

نمایاں ہوتا ہے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور بھائی چارے کو فروغ ملتا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے ص:205 پر ایک انتہائی تحقیقی مقالہ پیش کیا گیا ہے، مقالہ نگار ہیں: حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، جامعہ اشرفیہ کے مقبول و معروف استاذ اور صاحبِ طرز ادیب کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے ہیں، عربی ادب کے حوالے سے ان کی خدمات کا دائرۂ کار انتہائی وسیع ہے۔ ہند و پاک کے علاوہ عرب ممالک میں بھی آپ کی عربی دانی کے چرچے اور قلمی خوبیوں کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے اپنے اس مضمون میں جن اولین عربی نعت گویاں کا تذکرہ کیا ہے، ہم ان کے اسما ذیل میں نقل کر دے رہے ہیں:

○ جناب ابو طالب بن عبد المطلب ○ حضرت حسان بن ثابت انصاری خزرجی ○ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ○ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ○ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ○ حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ عنہا ○ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا ○ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ ○ حضرت عبد اللہ بن زبعریٰ رضی اللہ عنہ ○ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ ○ حضرت سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ ○ حضرات خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم۔

آپ نے مذکورہ اصحابِ سخن کے کلام کا چیدہ چیدہ حصہ بلیغ ترجمہ کے ساتھ پیش فرمایا ہے اور اپنے مخصوص انداز میں انتہائی اہم تبصرے بھی تحریر فرمائے ہیں۔ پورا مضمون ہی لائق مطالعہ ہے۔

اسی سلسلے کی دوسری کڑی پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید قادری کا مقالہ ہے، جو مولانا نفیس صاحب کے مقالے کے معًا بعد شاملِ اشاعت ہے۔ عنوان ہے: فارسی ادب کے چند معروف متقدم نعت گو شعرا۔

پروفیسر صاحب نے ہماری معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے جن فارسی شعرا کے تذکرے اور ان کے کلام پیش فرمائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

○ فردوسی ○ حکیم سنائی ○ عطار نیشا پوری ○ نظامی گنجوی ○ شیخ سعدی شیرازی ○ امیر خسرو، ○ مولانا جلال الدین رومی ○ مولانا نور الدین جامی ○ عرفی شیرازی۔

اور تیسری کڑی کے طور پر اردو کے کلاسیکی شعرا کا تذکرہ پروفیسر قمر الہدیٰ فریدی نے فرمایا ہے۔

اس مضمون میں انھوں یہ دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ اردو کے کلاسیکی شعرا نے کن اصناف میں اور کن جہتوں سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی حاضری درج کرائی ہے۔ انھوں نے تحریر کیا کہ:

”ابتدائی کاوشوں میں دکنی شعرا اور صوفیا کے ولادت نامے، معراج نامے، وفات نامے، چکی نامے وغیرہ کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ ذرا اور آگے بڑھتے ہیں تو مثنویوں، قصیدوں اور غزلوں میں نعتیہ اشعار چمکتے نظر آتے ہیں۔ حصولِ برکت یا عوام کو اسوۂ حسنہ کے مختلف پہلوؤں سے آگاہی بخشنے یا مذہبی جذبات کو مستحکم کرنے کے لیے لکھے گئے ان اشعار میں بالعموم سیدھا سادہ انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اور حضور کی سیرت، شخصیت اور عظمت پر زور دیا گیا ہے۔“

پروفیسر قمر الہدیٰ فریدی نے اردو ادب کے جن کلاسیکی شعرا کی نعت گوئی کو موضوعِ سخن بنایا ہے ہم صرف ان کے ناموں کی فہرست اپنے قارئین کی معلومات کے لیے درج کر رہے ہیں:

○ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ○ مومن خاں مومن ○ امیر مینائی ○ محسن کاکوروی ○ مرزا محمد رفیع سودا ○ میر حسن۔

مضمون مختصر مگر معلوماتی ہے، اس موضوع کو اور وسعت دینے کی ضرورت تھی، ہمیں امید ہے کہ پروفیسر صاحب دیگر متقدمین کی نعتیہ نگارشات کا تذکرہ بھی آئندہ اپنے کسی مضمون میں تفصیل کے ساتھ ضرور کریں گے۔

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی نے خانوادۂ برکاتیہ کی شعری رایات

کا تذکرہ انتہائی دل نشین پیرایے میں کیا ہے۔ حضرت صاحب البرکات کی شعر گوئی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"حضرت صاحب البرکات عربی اور فارسی میں عشقی اور ہندی میں پیمی تخلص فرماتے تھے، اور تینوں زبانوں میں ایسی شاعری فرماتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ کس زبان میں حضرت عشقی کو زیادہ دسترس حاصل ہے۔ آپ کا کلام سلوک و معرفت، کلام الٰہی اور محبت رسول اور صاحبان معرفت کی مدحت سے مستعار ہے بلکہ ایک سرمایۂ ادب ہے۔ حضور صاحب البرکات کا بارگاہ رسالت میں "یا شفیع الوریٰ سلام علیک" کے عنوان سے صلاۃ و سلام پوری دنیا میں عشق و محبت کا ایک ممتاز نغمہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور زبان زد خاص و عام ہے۔" (ص:324)

صاحب البرکات کے ادبی مقام و مرتبے کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے پروفیسر مسعود حسن خاں صاحب مقدمۂ تاریخ زبان اردو کا ایک اقتباس مذکورہ کتاب کے ص:188 کے حوالے سے درج کیا ہے جس سے ان کی ادبی اہمیت کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے۔

مضمون انتہائی وقیع ہے اور خانوادہ کے دیگر تمام ارباب سخن کے ذکرِ دل پذیر کی رعنائیاں بکھیرتا ہوا نظر آتا ہے۔

مولانا ارشاد عالم نعمانی نے "نعتیہ شاعری میں خانوادۂ قادریہ بدایوں کا امتیاز" بیان فرمایا ہے، اکابر خانوادۂ قادریہ کی نظر میں نعت نگاری کے اصول و آداب کے بیان کے بعد انھوں نے جن اکابر خانوادۂ قادریہ بدایوں کی نعت نگاری پر اظہارِ خیال کیا ہے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

- حضرت مولانا شاہ فضل رسول قادری بدایونی
- حضرت مولانا فیض احمد بدایونی
- حضرت مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی
- حضرت شاہ مطیع الرسول محمد عبدالمقتدر قادری بدایونی
- حضرت مولانا شاہ عاشق الرسول محمد عبدالقدیر قادری
- حضرت شیخ عبدالحمید محمد سالم قادری بدایونی
- حضرت مولانا حکیم عبدالماجد قادری بدایونی
- حضرت مولانا عبدالحامد قادری بدایونی
- حضرت مولانا عبدالہادی قادری بدایونی
- حضرت شیخ اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی
- حضرت شیخ عبدالغنی محمد عطیف میاں قادری بدایونی
- حضرت مولانا فضل رسول بدایونی

آخر میں مولانا ارشاد احمد نعمانی نے "نعتیہ شاعری کے فروغ میں اکابر خانوادۂ قادریہ کا حصہ" اور "درگاہ قادری کی محفل و نعت میں احتساب کی روایت" کو جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

پروفیسر سید سراج الدین اجملی نے "امام احمد رضا کی شاعری کی ادبی خصوصیات کا جائزہ" لیا ہے اور مفتی محمد سلیم بریلوی نے "گلستانِ شعر و سخن میں خانوادۂ رضویہ کی گل کاری" کو اجاگر کیا ہے، جب کہ "اردو میں غیر مسلم نعت گو شعرا" کا ذکرِ جمیل ڈاکٹر حامد رضا صدیقی نے فرمایا ہے۔

ڈاکٹر حامد رضا صدیقی کا یہ مضمون بھی کافی اہم ہے۔ البتہ ہم یہ ضرور کہیں گے کہ "یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید"۔ انھوں نے جو نام گنوائے ہیں وہ یقیناً بڑے نام ہیں، مگر ابھی گنجائش تھی کہ اس موضوع کو اور وسعت دی جاتی۔

یقیناً اہلِ سنت کی آواز کا یہ خصوصی شمارہ حمد و نعت ادب کی تقدیسی انتقادیات کی ایک اہم کڑی کے طور یاد رکھا اور محفوظ کیا جائے گا، ان شاء اللہ عزوجل۔ طباعت و سرورق انتہائی عمدہ ہے البتہ پروف کی غلطیاں جابجا در آئی ہیں، اس پر مزید توجہ ہو جاتی تو بہتر ہوتا۔ ہمیں امید قوی ہے کہ خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ آئندہ بھی اس قسم کے علمی و ادبی کاموں کی سرپرستی فرماتی رہے گی اور علم و ادب کے تقدیسی گوشوں کی رونمائی کا حق ادا کرتی رہے گی۔ اس عظیم الشان اشاعت کے لیے ذمہ داران خانقاہ، سرپرستان، مدیران اور جملہ معاونین کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ❊❊

صدائے بازگشت

تاریخ بدلنے والے فیصلے

مکرمی! میں نے ایک بار ایک پرانی کتاب میں ایک جملہ پڑھا تھا: "دنیا کے مسائل وہی لوگ حل کرتے ہیں، جو یہ ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہ انھیں حل نہیں کیا جاسکتا۔" اس وقت یہ الفاظ میرے لیے صرف ایک عام سا قول تھے، لیکن آج میں جتنا دنیا کو دیکھتا ہوں، اتنا ہی اس حقیقت پر یقین پختہ ہوتا جاتا ہے۔

آپ نے غور کیا ہوگا کہ دنیا میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو ہر مشکل کے سامنے ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں، اور دوسرے وہ جو ہر رکاوٹ کو ایک موقع میں بدلنے کا فن جانتے ہیں۔ یہ فرق اتنا معمولی نہیں جتنا بظاہر لگتا ہے، بلکہ یہ کامیاب اور ناکام انسان کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دیتا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو تاریخ میں جتنے بھی عظیم لوگ گزرے ہیں، وہ سب کے سب صرف مسئلہ حل کرنے کے ماہر تھے۔ تھامس ایڈیسن نے جب روشنی کا بلب بنانے کی کوشش کی، تو ہزاروں بار ناکام ہوا، مگر ہر ناکامی کو ایک قدم سمجھ کر آگے بڑھتا گیا۔ وہ عام انسان کی طرح یہ نہیں بولا کہ "یہ ممکن نہیں"، بلکہ اس نے ہر ناکامی کے بعد خود سے سوال کیا، "اب کیا بدلا جاسکتا ہے؟"

یہی وہ سوال ہے جو عام اور غیر معمولی لوگوں کے درمیان فرق پیدا کرتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ جب کوئی شخص کسی مسئلے میں پھنس جاتا ہے، تو وہ زیادہ تر کیا کہتا ہے؟ "یہ میرے بس کی بات نہیں"، "یہ مسئلہ بہت بڑا ہے"، "میرے پاس اس کا حل نہیں"۔ لیکن ایک کامیاب شخص کا طرز فکر مختلف ہوتا ہے۔ وہ خود سے یہ سوال کرتا ہے، "یہ ممکن کیسے بنایا جاسکتا ہے؟" یہی وہ ذہنیت ہے جو بڑے سے بڑا مسئلہ حل کر سکتی ہے۔

آپ کو اگر یقین نہ آئے تو آئیے ایک سچی کہانی سنتے ہیں۔ یہ 1955 کی بات ہے، جب امریکہ میں سیاہ فام افراد کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا تھا۔ ایک عام سوچ کا انسان ان قوانین کو قبول کر لیتا، مگر روزا پارکس نے ایک سوال اٹھایا: "یہ قانون کیوں ہے؟" جب اس سے کہا گیا کہ وہ اپنی سیٹ ایک سفید فام مسافر کے لیے خالی کرے، تو اس نے انکار کر دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اس ایک فیصلے کا نتیجہ بہت خطرناک ہو سکتا ہے، مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کسی کو تو یہ قدم اٹھانا ہی تھا۔ اس انکار کے نتیجے میں مارٹن لوتھر کنگ جونیئر نے ایک تحریک شروع کی، اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے امریکہ میں نسلی امتیاز کے خلاف ایک بیداری پیدا ہو گئی۔ اس ایک فیصلے نے پوری تاریخ بدل دی۔

یہی وہ ذہنیت ہے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ زیادہ تر لوگ مسائل کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، جب کہ اصل کامیابی انہی کے حصے میں آتی ہے جو مسائل کو چیلنج کرتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ حقیقت میں حل نہ ہو سکتا، تو کیا دنیا میں کبھی ترقی ممکن ہوتی؟ کیا انسان زمین کی قید سے آزاد ہو کر چاند تک پہنچ سکتا؟ کیا ہم آج موبائل فون کے ذریعے پوری دنیا سے رابطے میں ہوتے؟ نہیں! ہر ایجاد، ہر ترقی، اور ہر بڑی کامیابی کے پیچھے ایک ہی چیز ہے—ایک ایسا شخص جو سوال کرنا جانتا تھا، اور مسئلے کا حل تلاش کرنے کا حوصلہ رکھتا تھا۔

(باقی ص: پ55ر)

امریکہ-پیدائشی حق شہریت کے ایگزیکٹیو آرڈر پر روک

7 فروری۔ ہندوستانی طلبہ اور امریکہ میں ویزے پر رہنے والے اور گرین کارڈ کے منتظر پیشہ ور افراد کے لیے ایک بڑی راحت میں، سیئٹل کے ایک وفاقی جج نے صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے ایگزیکٹیو آرڈر کو غیر معینہ مدت کے لیے روک دیا ہے جس میں پیدائشی حق شہریت کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس حکم کی مذمت کرتے ہوئے، عدالت نے کہا کہ ٹرمپ آئین کے ساتھ "پالیسی گیم "کھیلنے کے لیے قانون کی حکمرانی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

امریکی ڈسٹرکٹ جج جان کوگنور کا ابتدائی حکم امتناعی میری لینڈ میں ایک وفاقی جج کی جانب سے اسی طرح کا حکم جاری کرنے کے بعد وسیع تر امیگریشن کریک ڈاؤن کے ایک حصے کے طور پر امریکی قانون میں تبدیلی کی ٹرمپ کی کوششوں کو دوسرا بڑا قانونی دھچکا ہے۔ سی این این کی ایک رپورٹ کے مطابق، سیئٹل میں جمعرات کو ہونے والی سماعت کے دوران جج کوگنور نے کہا: یہ بات پہلے سے زیادہ واضح ہو گئی ہے کہ ہمارے صدر کے لیے، قانون کی حکمرانی ان کے پالیسی اہداف کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ قانون کی حکمرانی، ان کے مطابق، گھومنے پھرنے یا محض نظر انداز کرنے کے لیے ہے، چاہے وہ سیاسی ہو یا ذاتی فائدے کے لیے۔

جج کوگنور نے جمعرات کو سیئٹل میں سماعت کے دوران کہا:

"اس کمرہ عدالت میں اور میری نگرانی میں، قانون کی حکمرانی ایک روشن مینار ہے جس کی پیروی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

جج نے نوٹ کیا کہ آئین ایسی چیز نہیں ہے جس کے ساتھ حکومت پالیسی گیم کھیل سکے۔ انھوں نے کہا کہ اگر حکومت پیدائشی حق شہریت کی غیر معمولی امریکی گرانٹ کو تبدیل کرنا چاہتی ہے، تو اسے خود آئین میں ترمیم کرنے کی ضرورت ہے۔

سیئٹل میں جاری کیا گیا نیا ملک گیر ابتدائی حکم امتناعی صدر کے حکم نامے کے خلاف جاری کیے گئے قلیل مدتی بلاک کو گنور میں توسیع کرتا ہے جس کے بعد اس نے اس پر دستخط کیے تھے۔ یہ میری لینڈ میں امریکی ڈسٹرکٹ جج ڈیبورا بورڈمین کی جانب سے بدھ کو ٹرمپ کے حکم کے خلاف ایک اور ابتدائی حکم امتناعی جاری کرنے کے ایک دن بعد آیا ہے۔

دونوں احکام ملک بھر میں لاگو ہوتے ہیں اور کیس آگے بڑھنے تک نافذ العمل رہیں گے۔ محکمہ انصاف نے جمعرات کو دیر گئے کہا کہ وہ سیئٹل کی عدالت کے حکم کے خلاف اپیل کر رہا ہے۔ ابتدائی حکم امتناعی کی اپیل مبینہ طور پر 9ویں یو ایس سرکٹ کورٹ آف اپیلز میں جائے گی، جو کہ بائیں طرف جھکاؤ رکھنے والی اپیل کورٹ ہے، یہ ایک ایسا اقدام ہے جو بالآخر امریکی سپریم کورٹ کے سامنے اس معاملے کو لے جا سکتا ہے۔

20 جنوری 2025 کو دوسری بار اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد، ٹرمپ نے ریاست ہائے متحدہ میں پیدائشی حق شہریت کو ختم کرنے کے ایک ایگزیکٹو آرڈر پر دستخط کر دیے۔ اس حکم نامے میں امریکی سرزمین پر پیدا ہونے والے والدین کے بچوں کو امریکی شہریت دینے سے انکار کیا گیا ہے جو امریکہ کے مستقل رہائشی نہیں ہیں۔ اس حکم سے امریکہ میں ہندوستانی کمیونٹی میں تشویش پیدا

ہوئی، خاص طور پر وہ لوگ جو عارضی ویزا پر رہتے ہیں۔ ٹرمپ کے حکم کے مطابق عارضی ویزے پر والدین کے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کو اس وقت تک شہریت نہیں ملے گی جب تک کہ والدین میں سے ایک امریکی شہری یا گرین کارڈ ہولڈر نہ ہو۔

ٹرمپ کے حکم سے گرین کارڈ کے بیک لاگ میں پھنسے تارکین وطن کے لیے بھی پریشانی لاحق ہوئی، کیوں کہ ان کے امریکہ سے باہر پیدا ہونے والے بچوں کو 21 سال کی ہونے پر خود کو ڈی پورٹ کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے جب تک کہ وہ دوسرا ویزا حاصل نہ کر لیں۔

غزہ کے حوالے سے مصر کے منصوبے کی تفصیلات

قاہرہ، 19 فروری۔ امریکی صدر کی جانب سے غزہ کی پٹی کی آبادی کی ہمسایہ ممالک جبری ہجرت سے متعلق دھماکا خیز تجویز کے بعد سے مصر غزہ کی تعمیر نو کے ایک ایسے منصوبے پر کام کر رہا ہے جس میں فلسطینیوں کے کوچ کی نوبت نہ آئے۔ مصری تجویز میں غزہ کے اندر محفوظ علاقوں کا قیام شامل ہے جہاں فلسطینی عارضی طور پر رہ سکیں جب کہ اس دوران مصری ملبے کو صاف کر کے بنیادی ڈھانچے کو دوبارہ سے بحال کریں گے۔ تجویز میں غزہ کے انتظامی امور اور تعمیر نو کی کی نگرانی کے لیے ایک غیر جانب دار فلسطینی انتظامیہ بنانا بھی مذکورہ ہے جو حماس یا فلسطینی اتھارٹی میں سے کسی کی جانب مائل نہ ہو۔ مصری تجویز میں ایک فلسطینی پولیس فورس تشکیل دینے پر بھی زور دیا گیا ہے۔ یہ فورس مرکزی طور پر فلسطینی اتھارٹی کے ان سابق پولیس اہل کاروں پر مشتمل ہوگی جو 2007 میں غزہ پر حماس کے کنٹرول کے بعد وہاں باقی رہ گئے۔ مصری ذمے داران کے مطابق تعمیر نو میں پانچ برس کا عرصہ درکار ہو گا اور اس دوران فلسطینیوں کو غزہ سے باہر نہیں نکالا جائے گا۔ اسی طرح غزہ کے اندر تین محفوظ علاقوں کا تعین کیا گیا ہے جہاں فلسطینیوں کو ابتدائی چھ ماہ کے لیے منتقل کیا جائے گا۔ ملبے کی صفائی اور بنیادی ڈھانچے کی تعمیر نو میں مصری اور بین الاقوامی کمپنیاں شریک ہوں گی۔ یہ تجویز ابھی تک زیر بحث ہے۔ مصری عہدے داران اس منصوبے پر یورپی سفارت کاروں، سعودی عرب، قطر اور امارات کے ساتھ بات چیت کر رہے ہیں۔ یہ بات عرب اور مغربی سفارت کاروں نے بتائی۔ اسی طرح تعمیر نو کے لیے فنڈنگ کے طریقے بھی زیر غور ہیں۔ ❊❊

–❊❊❊❊–

(ص:53 کا بقیہ)اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مہارت پیدا کیسے کی جائے؟ اس کا آسان جواب ہے — سوچنے کا انداز بدلیں۔ جب بھی آپ کسی مشکل کا سامنا کریں، تو فوراً گھانی ختم نہ کریں، بلکہ سوال کریں: یہ مسئلہ اصل میں کیا ہے؟ اس کا کوئی دوسرا حل کیا ہو سکتا ہے؟ اگر میں ہر ممکن طریقے سے ناکام ہو جاؤں، تو بھی اس کا ایک نیا راستہ کیا ہو سکتا ہے؟

دنیا میں سب سے زیادہ قابلِ رشک شخص وہ ہوتا ہے، جس کے پاس سوال کرنے کی ہمت ہوتی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق، دنیا کے 90 فیصد لوگ سوچنے سے زیادہ ردِ عمل دینے میں مہارت رکھتے ہیں — یعنی وہ کسی بھی صورت حال میں فوراً جذباتی ردِ عمل دیتے ہیں، بغیر یہ سمجھے کہ اس کا حل کیا ہو سکتا ہے۔ جب کہ وہ 10 فیصد لوگ جو دنیا کو چلاتے ہیں، وہ ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہیں، اس کا تجزیہ کرتے ہیں، اور پھر صحیح قدم اٹھاتے ہیں۔

اگر آپ بھی ان 10 فیصد لوگوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں، تو آج سے ہی اپنی سوچ کا انداز بدلیں۔ کسی بھی مسئلے کے سامنے ہار ماننے کے بجائے خود سے پوچھیں؛ یہ ممکن کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ یاد رکھیں، دنیا کے تمام بڑے فیصلے انھی لوگوں نے کیے ہیں جو خود سے بہتر سوالات کرتے ہیں۔ آپ کا مستقبل بھی اسی ایک چیز پر منحصر ہے — آپ ہر مسئلے کو کیسے دیکھتے ہیں؟ کیوں کہ جو حل تلاش کرتے ہیں، وہی تاریخ بناتے ہیں۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے — آپ صرف دیکھنے والوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں، یا تاریخ لکھنے والوں میں؟

از: **شہزاد احمد مرزا**

خیر و خبر

جامعہ امجدیہ رضویہ کے دو طلبہ کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی میں تعلیم حاصل کرنے والے اعدادیہ جماعت کے دو طالب علم محمد شمشیر اور محمد ریحان جو الہ آباد کے رہائشی تھے۔ سالانہ تعطیل کلاں میں گھر جا رہے تھے۔ پیر کو یہ جامعہ سے نکلے اور تقریباً 3 بجے رات میں سید آباد پہنچے۔ کافی رات ہونے کی وجہ سے ان دونوں نے اس علاقے میں موجود ایک مدرسہ نافع العلوم میں قیام کیا اور رات وہیں پر گزاری۔ صبح وہاں سے یہ دونوں۔ نکلے تاکہ دونوں اپنے گھر پہنچیں۔ ان میں ریحان نامی بچہ اپنے دوست شمشیر کو بس پر بٹھانے کے لیے سڑک پر اپنی سائیڈ سے کنارے پٹری پر چل رہا تھا۔ اس دوران ایک تیز رفتار بولیرو والے نے پوری سڑک چھوڑ کر کنارے ان بچوں کو ٹکر ماری۔ جس سے دونوں بچے بری طرح زخمی ہو گئے۔ مقامی لوگوں کے ذریعے دونوں بچوں کو اسپتال میں بھرتی کرایا گیا۔ جہاں تقریباً 1:00 بجے محمد شمشیر کا انتقال ہو گیا۔ بعد میں محمد ریحان بھی جان کی بازی ہار گیا۔ یقیناً یہ خبر انتہائی غمگین اور دل کو رنجیدہ کرنے والی ہے، یہ سانحہ نہ صرف ان دونوں کے خاندان کے لیے بلکہ جامعہ امجدیہ رضویہ کے تمام اساتذہ وارکین کے لیے بھی ایک گہرا دکھ ہے۔ ابھی ان دونوں بچوں نے ابھی علم دین حاصل کرنے کا آغاز ہی کیا تھا کہ ان کا مبارک سفر ختم ہو گیا۔

نبیرہ حضور حافظ ملت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی مصباحی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اُن کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قاری محمد رئیس خان نے کہا کہ مذکورہ بچوں کا سڑک حادثے میں فوت ہو جانا ہم سب کے لیے یقیناً افسوس اور ان کے اہل خانہ کے لیے بیحد صدمے کا باعث ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے صدقے ان بچوں کی راہ حق میں ان کی اس شہادت کو قبول و مقبول فرمائے؛ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے اہل خانہ کو صبر و شکر کی سعادت نصیب فرمائے۔

مفتی بدر عالم مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اپنے تعزیتی کلمات میں کہا کہ: اس نہایت افسوس اور جان کو تڑپا دینے والی اندوہ ناک خبر سے ہر مسلمان بالخصوص ارباب مدارس اسلامیہ کے دل پارہ پارہ ہو گئے۔

میں نے آج موبائل پر یہ المناک خبر پڑھی، بدن پر سکتہ طاری ہو گیا، اہل سنت و جماعت، مسلک اعلیٰ حضرت کے معروف ادارہ طیبۃ العلما جامعہ امجدیہ، گھوسی ضلع مئو، یوپی، انڈیا کے دو طالب علم تعطیل کلاں پر اپنے وطن الہ آباد کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں کسی ظالم ڈرائیور نے دونوں کو اپنی تیز رفتار فور ویلر کار سے کچل دیا، دونوں یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے، إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اللہ کریم ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے والدین اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جامعہ امجدیہ کے ارکین واساتذہ یقیناً اس اندوہ ناک حادثہ پر بہت غمگین ہوں گے، ان کے ساتھ تمام مدارس دینیہ کے اساتذہ کرام و طلبہ بھی شریک غم ہیں اور ان طلبہ کے حق میں دعاؤں اور ایصال ثواب کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حادثات، آفات و بلیات سے سب کو محفوظ رکھے۔

سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی مصباحی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اظہار تعزیت پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ سانحہ نہایت ہی افسوسناک اور دل سوز ہے۔ محمد شمشیر اور محمد ریحان کے انتقال کی خبر نے دل کو گہرے صدمے میں مبتلا کر دیا۔ وہ بچے جو علم دین کے مقدس سفر پر تھے، ان کی اچانک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے دردناک رحلت بلاشبہ ان کے اہل خانہ، اساتذہ، جامعہ امجدیہ رضویہ اور تمام متعلقین کے لیے عظیم دکھ اور صبر کی گھڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بچوں کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے والدین اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ یہ نقصان دنیوی لحاظ سے تو ناقابل تلافی ہے، مگر ہم اللہ کے فیصلے پر راضی ہیں، کیونکہ اس کی رضا میں حقیقی سکون ہے۔ تمام اہلِ خانہ سے دلی تعزیت کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو صبر و قرار عطا فرمائے اور انھیں اس صدمے کا بہترین اجر نصیب کرے۔

از: نور الہدیٰ مصباحی

یوپی حکومت کی اردو مخالف پالیسی کی سخت مذمت

مظفر پور: 19 فروری۔ اتر پردیش میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہونے کے باوجود، ریاستی حکومت کے سوتیلے رویے پر سخت ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے معروف سماجی و تعلیمی شخصیات نے اپنی گہری تشویش کا اظہار کیا ہے۔ اور ائی اسمبلی حلقہ سے عظیم اتحاد کے حمایت یافتہ سی پی آئی ایم ایل کے سابق امیدوار آفتاب عالم، دی گانڈنس آئی ٹی آئی کالج کچھی سرائے کے پرنسپل اعجاز احمد، انصاف میچ بہار کے جوائنٹ سیکریٹری انجینئر ظفر اعظم، پلس ٹو ہائیر سکینڈری اسکول کے استاذ محمد عالیشان تابش قمر وغیرہ نے حکومت کی متعصبانہ پالیسی پر شدید احتجاج کیا ہے۔ ان حضرات نے وزیر اعلیٰ یوگی آدتیہ ناتھ کی جانب سے اردو زبان کے تئیں معاندانہ رویے کو ریاست کے سیکولر اور جمہوری اقدار کے خلاف قرار دیا ہے۔ آفتاب عالم نے حکومت سے براہ راست سوال کیا کہ جب ہندی اور اردو دونوں زبانیں سگی بہنوں کی طرح ہیں، تو آخر اردو کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کیوں کیا جا رہا ہے؟ انھوں نے مزید کہا کہ اردو کے خلاف کسی بھی قسم کی ناانصافی کو قبول نہیں کیا جائے گا اور اس کے حقوق کی بحالی کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کیے جائیں گے۔ اعجاز احمد نے بھی حکومت کے رویے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ اردو کے فروغ میں دانستہ رکاوٹیں کھڑی کی جا رہی ہیں اور اس زبان کو دی جانے والی مراعات میں کٹوتیاں کی جا رہی ہیں، جو کسی بھی صورت قابل قبول نہیں ہے۔ انجینئر ظفر اعظم نے کہا کہ اردو زبان کو نظر انداز کرنا در اصل ملک کے ورثے کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ محمد عالیشان نے یوگی آدتیہ ناتھ کی اردو مخالف ذہنیت پر شدید افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو ہندوستان میں پیدا ہونے والی خالص ہندوستانی زبان ہے۔ اس کی مخالفت در اصل ہندوستانی تہذیب و ثقافت کی مخالفت ہے۔ اردو زبان صدیوں سے ہندوستانی سماج، ادب، اور ثقافت کا اہم جز رہی ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ اردو کے فروغ کے لیے مثبت اقدامات کرے تاکہ ملک کی گنگا جمنی تہذیب مزید مستحکم ہو۔

تابش قمر نے اردو کو در پیش مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اگر حکومت نے اپنا متعصبانہ رویہ ترک نہ کیا تو عوامی سطح پر احتجاج کیا جائے گا۔

تمام محبان اردو نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اردو کو نظر انداز کرنے کی روش ترک کی جائے اور اس زبان کو وہی حقوق دیے جائیں جو ہندی سمیت دیگر زبانوں کو حاصل ہیں۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اگر حکومت نے اس معاملے میں فوری اصلاح نہ کی تو بڑے پیمانے پر احتجاج کیا جائے گا اور اس زبان کے تحفظ کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

▪▪▪

خیابان حرم

مدینے کی طرف دیکھتے ہیں

اپنے آقا کے مدینے کی طرف دیکھتے ہیں
دل الجھتا ہے تو سینے کی طرف دیکھتے ہیں

اب یہ دنیا جسے چاہے اسے دیکھے سر سیل
ہم تو بس ایک سفینے کی طرف دیکھتے ہیں

عہد آسودگیٔ جاں ہو کہ دور ادبار
اسی رحمت کے خزینے کی طرف دیکھتے ہیں

وہ جو پل بھر میں سر عرش بریں کھلتا ہے
بس اسی نور کے زینے کی طرف دیکھتے ہیں

بہر تصدیق سند نامۂ نسبت عشاق
مہر خاتم کے نگینے کی طرف دیکھتے ہیں

دیکھنے والوں نے دیکھے ہیں وہ آشفتہ مزاج
جو حرم سے بھی مدینے کی طرف دیکھتے ہیں

از: **افتخار عارف**

دوسرا کوئی نہ آئے گا

فاصلوں کو تکلف ہے ہم سے اگر ہم بھی بے بس نہیں بے سہارا نہیں
خود انہی کو پکاریں گے ہم دور سے راستے میں اگر پاؤں تھک جائیں گے

ہم مدینے میں تنہا نکل جائیں گے اور گلیوں میں قصداً بھٹک جائیں گے
ہم وہاں جا کے واپس نہیں آئیں گے ڈھونڈتے ڈھونڈتے لوگ تھک جائیں گے

جیسے ہی سبز گنبد نظر آئے گا بندگی کا قرینہ بدل جائے گا
سر جھکانے کی فرصت ملے گی کسے خود ہی پلکوں سے سجدے ٹپک جائیں گے

نام آقا جہاں بھی لیا جائے گا ذکر ان کا جہاں بھی کیا جائے گا
نور ہی نور سینوں میں بھر جائے گا ساری محفل میں جلوے لپک جائیں گے

اے مدینے کے زائر خدا کے لیے داستان سفر مجھ کو یوں مت سنا
بات بڑھ جائے گی دل تڑپ جائے گا میرے محتاط آنسو چھلک جائیں گے

ان کی چشم کرم کو ہے اس کی خبر کس مسافر کو ہے کتنا شوق سفر
ہم کو اقبالؔ جب بھی اجازت ملی ہم بھی آقا کے دربار تک جائیں گے

از: **اقبال عظیم**

R.N.I. No. 29292/76
Regd. No. AZM/N.P.28 2023-25

THE ASHRAFIA MONTHLY

APRIL 2025

Mubarakpur Azamgarh (U.P.) 276404 (INDIA)

(Mob. No.) 9450109981 (Mumbai Office) 022-23726122 (Delhi Office) Tel. 011-23268459, Mob.No. 9911198459

www.aljamiatulashrafia.org Email: info@aljamiatulashrafia.org

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا علمی فیضان ہندوستان گیر ہی نہیں بلکہ اب عالم گیر ہوگیا ہے۔ اشرفیہ نے جس برق رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اشرفیہ کے معاونین اور دیگر اہلِ خیر اس سے بخوبی واقف ہیں۔ اس وقت دو سو پچاس سے زائد افراد پر مشتمل ایک متحرک اور فعال اسٹاف اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے اور مختلف شعبوں میں تقریباً گیارہ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بیرونی طلبہ کی خوراک، رہائش اور اساتذہ و ملازمین کی تنخواہوں پر ایک خطیر رقم سالانہ خرچ کی جاتی ہے۔ لہٰذا یہ ادارہ بجا طور پر اہلِ خیر حضرات کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ والسلام

عبدالحفیظ عفی عنہ
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

DONATION

You can make donation by cheque, Draft or by online in the favour of-

(For Education) برائے تعلیمی چندہ	(For Construction) برائے تعمیری چندہ
(1) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Central Bank of India** **A/C 3610796165** IFSC. Code: CBIN 0284532	(1) Aljamiatul Ashrafia **Central Bank of India** **A/c 3610803301** IFSC. Code: CBIN 0284532
(2) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Union Bank of India** **A/C 303001010333366** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301	(2) Aljamiatul Ashrafia **Union Bank of India** **A/c 303002010021744** IFSC. Code: UBIN 0530301 Branch Code: 530301
(3) Darul Uloom Ahle Sunnat Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom **Punjab National Bank** **A/c 05752010021920** IFSC. Code : PUNB0057510	(3) Aljamiatul Ashrafia **Punjab National Bank** **A/c 05752010021910** IFSC. Code : PUNB0057510

(1)- Exempted u/s 80G, (5) (VI), of Income Tax Act. 1961, Vide File No. Aa.Ayukt/Gkp/80G, Redg. S.No. 178/2011-12 Dt. 30/8/2011 w.e.f A.Y 2012-13 (F.Y.2011-12)
(2)- Exempted u/s 12A, Vide Letter No. 177/2011-12

BHIM
BHARAT INTERFACE FOR MONEY

BHIM UPI Payments Accepted at
Darul Uloom Ahle Sunnat
Madrasa Ashrafia Misbahul Uloom
Account Number : 3610796165, IFSC Code: CBIN0284532

SCAN & PAY ANY UPI SUPPORTED APPS

Only for Foreign Countries. FCRA Registration. No.236250051 Nature: Educational Social. For Account Detail, please visit http://aljamiatulashrafia.in/donation.php?lang=EN